شیریں سخن

(غزلیات)

فیض الحسن ناصرؔ

فیض الحسن ناصرؔ

المیر

فیض الحسن ناصرؔ ضلع گجرات کے شعر و سخن کا ایک تابناک ستارہ ہے اور شعرا و ادبا کو منزل دکھلانے والا نہایت قابلِ ذکر سخن ور، نقاد اور اصلاح کار ہے۔ میں اگر یہاں اس امر کی بابت بات نہ کروں تو ان کا تعارف ادھورا رہ جائے گا۔ ان کے والد گرامی محمد عبد اللطیف افضل صاحب اپنے وقت کے ان شعرا میں شمار ہوتے تھے جو چند لمحوں میں ایک طویل نظم الہامی طور پر مرتب فرما لیتے تھے۔ اس امر کی گواہی شریف کنجاہی صاحب نے ایک محفل میں بیان فرمائی کہ مجلس احرار کے ایک جلسے میں جو انھوں نے طویل نظم پیش کی وہ اسی جلسے کی ابتدا میں ان پر آمد ہوئی تھی۔ وہ نظم کچھ اس روانی کے ساتھ انھوں نے سنائی کہ وہ زبانی یاد ہو گئی۔ ایک عرصہ کے بعد شریف کنجاہی صاحب نے جب وہ نظم فیض الحسن ناصرؔ صاحب کو سنائی تو اُنھوں نے کہا کہ میں نے یہ اشعار پہلے نہیں سنے تھے۔

فیض الحسن ناصرؔ علوم و فنون کا ایک ایسا سایہ دار شجر ہے جس کی چھاؤں تلے کئی مبتدیوں اور منتہیوں نے سخن وری کے اسرار و رموز حاصل کیے۔ وہ ہمہ وقت ادیبوں کی اصلاح کاری میں مصروف رہتے ہیں۔ فیض الحسن ناصرؔ کی شاعری، عروض دانی اور نکتہ وری کے نہ صرف شریف کنجاہی صاحب قائل تھے بلکہ پروفیسر انور مسعود صاحب، پروفیسر سید مسعود ہاشمی صاحب اور خاقان خاور صاحب بھی معترف تھے۔ پروفیسر حامد حسن سید صاحب تو اس حد تک قائل تھے کہ انھوں نے فیض الحسن ناصرؔ کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا کہ ”یہاں صرف آپ ہی درست لکھتے ہیں“

ہر نئے شاعر نے جب شریف کنجاہی صاحب سے دریافت کیا کہ رہنمائی کس سے حاصل کی جائے تو انھوں نے کہا کہ اس وقت گجرات میں صرف فیض الحسن ناصرؔ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسی سے شاعری میں رہنمائی حاصل کی جائے۔

عارف علی میر

مُہتمِ اشاعت: فیاض احمد

المیر ٹرسٹ لائبریری و مرکزِ تحقیق و تالیف (وقف) کی جانب سے ساٹھ ویں (60) ادبی تحقیقی کاوش جو صاحبانِ علم و ادب کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے

مختصاب کتاب

کتاب: شیریں سخن

تحریر و ترتیب: فیض الحسن ناصرؔ (0333-8433778)

صورت گر و عکسِ کتاب: محمد عاصم کامران (0334-4671810)

طباعت: شرکت پرنٹنگ پریس، 43 نسبت روڈ لاہور

اشاعتی شماریہ: طبع اول 29 جنوری 2023ء

مبادلہ: دعائے مغفرت برائے بزرگان و دعائے خیر و برکت المیر ٹرسٹ لائبریری

دعائے صحت و شادمانی ممبران ''اتواری اکھ'' المیر ٹرسٹ لائبریری

یہ کتاب تشنگانِ علم و ادب اور نوجوان طلبا کی خدمت میں بلا قیمت پیشِ خدمت ہے!

رابطہ: المیر ٹرسٹ لائبریری (مرکزِ تحقیق و تالیف)، میر سٹریٹ، بھمبر روڈ گجرات، پاکستان

Mobile: +92(0)300-6202993, (0)334-8161820

Website: www.almirlibrary.20m.com

Email: almirlibrary@hotmail.com

Facebook: www.facebook.com/almirlibrary

شیریں سخن

☆

غزلیات

(اردو)

فیض الحسن ناصرؔ

فہرست

انتساب

والدہ مرحومہ

کے

نام

اعزازات وانعامات

1۔ 1964ء بہترین شاعر ہیلی کالج آف کامرس پنجاب یونیورسٹی لاہور، انعام میں کپ ملا

2۔ یومِ تکبیر کا نام تجویز کرنے پر وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے سندِ اعزاز عطا کی اور وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف نے 2000 روپے انعام دیا۔

3۔ 2001ء میں یونین کونسل نمبر 52 گجرات شہر کا بھاری اکثریت سے نائب ناظم منتخب ہوا۔ 2005ء میں بلا مقابلہ نائب ناظم منتخب ہوا۔ یوں میں نے 9 سال عوام کی بے لوث خدمت کی۔

4۔ میں نے تحصیل کونسل کا ممبر ہونے کی حیثیت سے (92 ممبرز کے ہاؤس میں) حزبِ اقتدار میں ہوتے ہوئے کرپشن کے خلاف کئی نظمیں پیش کیں اور جملہ ممبران سے زبردست داد وصول کی۔ اجلاس میں مجھے متفقہ طور پر دی موسٹ لٹرری ممبر آف تحصیل کونسل کا خطاب عطا کیا گیا اور 14 اگست 2002ء کو یومِ آزادی کی تقریب میں ناظم تحصیل گجرات میاں ہارون مسعود صاحب نے ٹرافی عطا کی۔

5۔ بطور ممبر تحصیل کونسل گجرات میں کلیدی کردار ادا کرنے پر تحصیل کونسل نے 2008ء میں مجھے دو خطابات عطا کیے۔ فخرِ تحصیل گجرات، فخرِ تحصیل کونسل گجرات۔

6۔ تحصیل کونسل گجرات نے مسلسل تین بار مجھے ادبی کمیٹی کا چیئرمین منتخب کیا اور میں نے جناح (کنگ لائبریری) کی تزئین و آرائش کرائی۔

7۔ تحصیل کونسل گجرات کے ہال میں کئی کتابوں کی رونمائی کرائی اور کئی مشاعرے منعقد کرائے اور یوں تحصیل کو ادبی رنگ میں رنگا ہے جسے سبھی نے بہت سراہا۔

8۔ زیرِ سرپرستی جان کاشمیری صاحب ممتاز ادبی مجلّہ سہ ماہی قرطاس گوجرانوالہ کے 35

شمارے شائع ہوئے۔ میں نے بطور ایڈیٹر خدمات سرانجام دیں۔ ان شماروں میں علمِ عروض (جملہ شعری قوائد وضوابط) پر میری 15 اقساط بھی شائع ہوئیں جنہیں بہت پسند کیا گیا۔ نام ور ادبا اور شعرا نے تعریفی خطوط ارسال کیے جو قرطاس کے کئی شماروں میں شائع ہوئے۔

9۔ 2004ء میں تنظیم شعرا ضلع گجرات کا قیام عمل میں آیا اور مجھے اس کا صدر منتخب کیا گیا اور میں نے کئی کتابوں کی رونمائی کرائی اور کئی کامیاب مشاعرے منعقد کرائے اور گجرات کی ادبی سرگرمیوں میں اضافہ کیا جسے ادبی حلقوں نے بہت سراہا۔

10۔ 1996ء میں ادبی تنظیم فروغِ سخن (اعداد 1996) قائم ہوئی اور مجھے اس کا صدر منتخب کیا گیا اور اس تنظیم کے تحت کئی ادبی کتابوں کی رونمائی کرائی۔ مشاعرے منعقد کرائے

11۔ 2019ء میں ادبی تنظیم ''گجرات ادبی فورم'' قائم ہوئی اور مجھے اس کا سرپرستِ اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ عتیق الرحمٰن صفی صاحب کو صدر اور ڈاکٹر عبدالباسط راٹھور صاحب کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔

12۔ 2006ء میں ''چار چفیرے چانن'' کے نام سے میرا پنجابی غزلوں کا مجموعہ شائع ہوا۔ میاں عمران مسعود صاحب وزیرِ تعلیم پنجاب نے بلدیہ گجرات کے ہال میں کتاب کی رونمائی کی۔

13۔ حلقۂ اربابِ ذوق گجرات کی تقریبات میں بھرپور شرکت کرتا ہوں۔

غیر ادبی سرگرمیاں

☆ 1964ء میں کوآپریٹو سوسائٹی ہیلی کالج آف کامرس لاہور کا ڈائریکٹر منتخب ہوا۔

☆ ممبر ڈبیٹنگ سوسائٹی آف ہیلی کالج آف کامرس

☆ 1968-96ء کامران فین کے نام پر پنکھا سازی کا کاروبار کیا۔

☆ 1971-74 جوائنٹ سیکرٹری، 1974-88 جنرل سیکرٹری الیکٹرک فین مینوفیکچرز گروپ گجرات منتخب ہوا اور فین مینوفیکچررز کے مسائل حل کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

☆ 1977ء ینگ مغلز ویلفیئر ایسوسی ایشن کا صدر منتخب ہوا اور مغل برادری کو سیاسی طور پر منظّم کرنے میں اہم کردار ادا کیا، جسے برادری کے ہر فرد نے بے حد سراہا۔ جنرل سیکرٹری کے طور پر 12 سال برادری کی خدمت کی۔ متعدد بار تنظیم مغلیہ کا نائب صدر منتخب ہوا۔

☆ 6 ستمبر 1977ء کو ایسوسی ایشن نے چودھری ظہور الٰہی شہید کو بہت بڑی افطار پارٹی دی جس کا انتظام و اہتمام مغل برادری کے سرپرست ممتاز رہنما صوفی نذر محمد صاحب (امجد فاروق صاحب کے والد) نے اپنی فیکٹری میں کیا جس میں ہزاروں معززینِ شہر نے شرکت کی۔ میں نے سپاس نامہ پیش کیا جس کی بہت پذیرائی ہوئی اور اخبارات میں شائع ہوا۔

☆ 1964ء سے مسلم لیگ (ق) میں شامل ہوں۔ چودھری ظہوری الٰہی شہید میرے سیاسی رہنما ہیں۔ چودھری شجاعت حسین صاحب اور میاں عمران مسعود صاحب کے انتخابی جلسوں میں بیسیوں دفعہ میں نے خطاب کیا اور کئی سیاسی نظمیں پیش کیں جو مقبولِ عام ہوئیں۔

☆ 1982-84 سال انڈسٹریز اسٹیٹ ایسوسی ایشن کا نائب صدر منتخب ہوا۔

تمہید

میں 20 نومبر 1943ء افضل منزل محلّہ نئی آبادی مستریاں گجرات پاکستان میں پیدا ہوا۔ 1959ء میں (ساڑھے پندرہ سال کی عمر میں) پبلک ہائی سکول نمبر 1 گجرات سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور 757/1000 نمبر حاصل کیے۔ 1961ء میں زمیندار کالج سے ایف ایس سی نان میڈیکل کا امتحان پاس کیا۔ 1964ء میں ہیلی کالج آف کامرس پنجاب یونیورسٹی لاہور سے (بی۔ کام آنرز) کا امتحان پاس کیا۔ والد محترم محمد عبداللطیف افضل علمی، ادبی، دینی اور کاروباری شخصیت تھے۔ بڑے بھائی ڈاکٹر محمود الحسن صاحب نے 1970ء میں برطانیہ سے فوڈ ٹیکنالوجی میں (پی ایچ۔ڈی) کی ڈگری حاصل کی اور چھوٹے بھائی پروفیسر مسعود الحسن صاحب نے 1968ء میں پنجاب یونیورسٹی سے (ایم۔ ایس سی کیمسٹری) کی ڈگری حاصل کی اور سرسید کالج گجرات میں کیمسٹری پڑھائی۔

والدِ محترم محمد عبداللطیف افضلؔ، پیر فضل حسین فضلؔ گجراتی مرحوم کے شاگرد تھے۔ وہ مولانا ظفر علی خاں صاحب مرحوم سے قریبی رابطہ رکھتے تھے۔ انہیں عربی، فارسی، اردو اور پنجابی پر بڑا عبور حاصل تھا۔ عطاءاللہ شاہ بخاری صاحب مرحوم کے جلسوں میں سیاسی اور مذہبی نظمیں پیش کرتے تھے اور شاہ صاحب کہتے تھے کہ افضلؔ میرا شاعر ہے۔

ہم یہاں ہیں دل تری محفل میں ہے
کس قدر پرواز آب و گِل میں ہے

ڈھونڈتی پھرتی ہے اس کو مغفرت
رِند افضلؔ آج کس محفل میں ہے

کبھی ہُبل کی جے کبھی ہُبل کے سر پہ لات ہے
نمودِ اختلاف سے وجودِ کائنات ہے
(محمد عبداللطیف افضلؔ)

والد صاحب نے پنج سورہ شریف کا منظوم پنجابی ترجمہ کر کے شائع کیا جو بہت مقبول ہوا۔ پنجابی اور اردو کے نامور شاعر انور مسعود صاحب میرے چچازاد بھائی ہیں۔ وہ مجھ سے آٹھ سال بڑے ہیں اور ہم ایک ہی مکان میں پیدا اور جوان ہوئے۔ چند سال پہلے انور مسعود صاحب نے مجھے بتایا کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں آپ کے والد صاحب یعنی تایا جان کی بدولت ہوں اور میں نے ان سے سبقاً علمِ عروض حاصل کیا۔ شریف کنجاہی صاحب نے ٹی وی پر ایک انٹرویو میں کہا کہ میں زندگی میں دو شعرا سے متاثر ہوا ہوں پیر فضل حسین فضلؔ گجراتی صاحب اور محمد عبداللطیف افضلؔ صاحب سے۔

گھر میں شعر و شاعری کا ماحول تھا۔ میں نے بھی 1960ء میں 17 سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا اور پہلی غزل بزمِ مہدی میں 1960ء بمطابق 1380ھ میں سنائی اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ میرے نام کے عدد بھی 1380 ہیں۔ یہ طرحی غزل تھی۔ میں نے یوں گرہ لگائی:

کیا کہوں کس سے کہوں کیسے کہوں حالِ دروں
"دل کا غم دل کی زباں سے دل کو سمجھاتا ہوں میں"

اس غزل پر مجھے بڑی داد ملی اور میری حوصلہ افزائی ہوئی۔ نواب زادہ مہدی علی خاں صاحب بہت اچھے شاعر تھے۔ ادب پرور اور مہمان نواز تھے۔ شعرا کی خاطر تواضع ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ وہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو اپنی کوٹھی نواب صاحب گجرات میں طرحی مشاعرہ منعقد کرتے تھے۔ اردو اور پنجابی کا طرح مصرع ہر ماہ ہمارے گھر آ جاتا تھا اور والد

صاحب اور انور مسعود صاحب غزلیں لکھتے تھے اور انور مسعود صاحب میرے والد صاحب سے اصلاح لیتے تھے۔ میں نے بھی والد صاحب سے اصلاح لینی شروع کر دی۔ دوسری غزل بھی میں نے بزمِ مہدی کے ماہانہ مشاعرے میں سنائی۔ میں نے یوں گرہ لگائی:

سبزۂ گلزار آتش بار ہے تیرے بغیر
'پھول بھی میری نظر میں خار ہے تیرے بغیر'

بیسیوں قصیدے اور سہرے لکھے ہیں۔ غزل میں نئے نئے تجربے بھی کئے ہیں۔ 50 شعری غزل مسلسل بھی لکھی ہے جو اس کتاب میں شامل ہے۔ میں طویل غزل لکھنے کا قائل ہوں۔ غزل کی ہیئت مجھے اس قدر مرغوب ہے کہ میں نے بے شمار نظمیں غزل ہی کی ہیئت میں لکھی ہیں۔

میں 1961ء میں ہیلی کالج میں داخل ہو گیا اور اصلاح لینے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ میں غزلیں لکھتا رہا اور کالج کے رسالہ ''الاقتصاد'' میں میری غزلیں شائع ہوتی رہیں۔ ایک غزل لکھی جس کے جملہ قافیے کامرس سے تعلق رکھتے تھے۔ ڈیبٹ، کریڈٹ، ایسٹ، آڈٹ وغیرہ۔ ایک شعر ملاحظہ فرمائیں۔

زندگی بھر اُس نے کس کس سے کیے کتنے فراڈ
بھید کھل جائیں گے اُس کا دل گر آڈٹ ہو گیا

1964ء میں پہلی بار شاعری کا تحریری مقابلہ ہوا۔ میں نے جلدی جلدی ایک غزل لکھ کر بغیر اصلاح کے متعلقہ پروفیسر صاحب کو دے دی۔ مجھے اس غزل پر بہترین شاعر 1964ء کا خطاب ملا اور سالانہ تقریبِ انعامات میں کپ عطا ہوا۔ غزل ملاحظہ فرمائیں۔

آ پھر اِک بار ذرا بر لبِ بام اے ساقی
دیکھ لے چاند مرا ماہِ تمام اے ساقی

ہو اگر اُس کی گرہ میں کوئی دام اے ساقی
نہ کہے شیخ کبھی مے کو حرام اے ساقی
وہ کوئی اور ہیں پیتے ہیں جو پیمانوں سے
مجھ کو آنکھوں سے پلا توڑ دے جام اے ساقی
پی کے جو گرنے میں ہے لطف سنبھلنے میں کہاں
چھوڑ گرنے دے ذرا مجھ کو نہ تھام اے ساقی
تیرے دیدار کے مشتاق ہیں عشاق سبھی
پردہ چہرے سے ہٹا فیض ہو عام اے ساقی

پروفیسر سید مسعود ہاشمی مرحوم اور خاقان خاور مرحوم کے ساتھ اکثر ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ وہ ادب ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ گزرا ہوا وقت میری زندگی کا انمول سرمایہ ہے۔

شروع میں صرف اردو غزلیں لکھیں۔ پھر پنجابی غزلوں کی طرف زیادہ توجہ دی۔ 1990ء تک میرا خیال تھا کہ میں نظم نہیں لکھ سکتا۔ جب یکے بعد دیگرے دو نظمیں لکھیں جن پر بہت داد ملی تو تواتر سے نظمیں لکھنی شروع کر دیں۔ پہلی نظم بعنوان ''شعر'' اس کتاب میں درج ہے۔ ایک عرصہ سے اردو میں نظمیں اور غزلیں لکھ رہا ہوں۔ جملہ حروف تہجی اور جملہ مترنم بحروں میں غزلیں لکھی ہیں جو اس کتاب میں پیش کر رہا ہوں۔ بحرِ مشاکل، بحر طویل اور بحر جدید میں موسیقی مفقود ہے اس لیے ان بحروں میں نہیں لکھا۔ بحرِ وافر (مَفَاعِلَتُن) پر بھی غزل لکھی ہے۔ اس بحر کے بارے میں (چونکہ یہ بہت مشکل ہے) کہا جاتا ہے کہ یہ اردو میں مستعمل نہیں ہے لیکن میں نے اسے استعمال کیا ہے۔

تین اردو نظموں کے مجموعے، تین اردو غزلوں کے مجموعے ایک پنجابی غزلوں کا مجموعہ اور ایک پنجابی نظموں کا مجموعہ تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ سب کچھ چھپوانے میں کوشاں ہوں۔ اب تک تقریباً 70 اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کر چکا ہوں اور مشقِ سخن جاری ہے۔

عظیم مذہبی سکالر قاری عطا الرحمٰن صاحب مرحوم سے تقریباً 20 سال قرآنِ حکیم کا ترجمہ و تفسیر اور فقہ و حدیث وغیرہ کا علم حاصل کیا۔ عربی کی گرائمر ''صَرف'' سبقاً پڑھی اور اُنھیں ایف اے اور بی اے کی انگریزی پڑھائی۔ ایم اے اسلامیات کا تقریباً سارا کورس پڑھا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تفہیم القرآن کی 6 جلدیں کئی دفعہ پڑھیں۔ مودودی صاحب کی کئی اور کتابیں بھی پڑھیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے ہاتھ پر 1985ء میں بیعت کی۔ الحمد للہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہوں۔ 1981ء میں حج کیا بڑا بیٹا محمد قاسم کامران حافظِ قرآن اور بڑی بیٹی حافظۂ قرآن ہے۔

فرزندِ ارجمند محمد ناظم کامران نے گیارہ سال کی عمر میں یہ سہ مصرعی لکھی۔ اس نے 27 سال کی عمر میں چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کا امتحان پاس کر لیا۔

کام کرو تم کوئی اگر
اس میں محنت اتنی کرو
رشک کرے دُنیا تم پر

انشاء اللہ محمد ناظم کامران ہماری شعری روایات کو آگے بڑھائے گا۔ دعا گو ہوں کہ اس کے فرزندانِ ارجمند محمد راحم کامران اور محمد دائم کامران کو بھی اللہ تعالیٰ فنِ شاعری کی عظیم نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

لکھنا پڑھنا اور شاگردوں کے کلام کی اصلاح کرنا معمول ہے۔ بیسیوں شاگردوں کے کلام کی سال ہا سال اصلاح کی۔ کئی شاگردوں کو ایم فِل کے مقالوں کی مکمل

تیاری کرائی۔

کئی اخباروں اور رسالوں میں میری غزلیں، نظمیں، تنقیدی مضامین اور اصلاحیں شائع ہوئیں اور یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ فیس بک پر ایک عرصہ سے شاعری پیش کر رہا ہوں۔ سید غلام مجتبیٰ کے شعری مجموعہ ''عکسِ جنوں'' پر تنقید و اصلاح کا کام مکمل کیا ہے جو عنقریب 'فیضان' کے نام سے منظرِ عام پر آ جائے گا۔ اس کتاب میں تنقید و اصلاح کے علاوہ مبتدیوں کے لیے بہت کچھ ہے اور منتہیوں کے لیے بھی کچھ نہ کچھ موجود ہے۔

جملہ شعری قواعد وضوابط پر ایک کتاب ''سروشِ بلاغت'' کے نام سے لکھی ہے جو تقریباً 600 صفحات پر مشتمل ہے۔ عنقریب شائع کر دوں گا۔ کئی شعرا کے اشعار پر تنقید و اصلاح کا کام بھی کیا ہے جسے کتابی شکل میں پیش کر دوں گا۔

دیونہ منڈی کے باصلاحیت نوجوان شاعر علی جان سخن کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اِس کتاب کی تدوین میں میری بھرپور معاونت کی۔ روزنامہ ڈاک میں ''عکسِ جنوں'' پر چھپنے والے میرے تفصیلی تنقیدی مضمون سے متاثر ہو کر مجھے 2011 میں ملے اور ملاقاتوں کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

مجھے انگریزی کا یہ قول بہت پسند ہے اور میں اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

Being right is not enough, you must be dead right

''ٹھیک ہونا کافی نہیں ہے، بالکل ٹھیک ہونا چاہیے۔''

جان کاشمیری صاحب، عارف علی میر صاحب، ڈاکٹر عبدالباسط راٹھور صاحب، علی جان سخن صاحب، ڈاکٹر محمد افتخار ارقم صاحب، عتیق الرحمٰن صفی صاحب، عبدالقادر صاحب، مجتبےٰ مدنی صاحب، احمد ندیم صاحب، خالد محمود صاحب، ڈاکٹر ثاقب آکاش صاحب، منیر صابری کنجاہی صاحب، منیر طور صاحب، تنویر دانش صاحب، مشتاق خلیل صاحب،

امین فاروقی صاحب، رضا شاہ صاحب (اٹلی)، حافظ حبیب حیات پسروری صاحب، مرزا محمد ارشد صاحب (رپورٹر)، محمد افضل رحمانی صاحب (سینئر رپورٹر روزنامہ جذبہ گجرات)، محمد اکرام نجم صاحب، محمد اختر صاحب، امجد فاروق صاحب، محمد جاوید کویتی صاحب، چودھری محمد صادق صاحب، لہسب شاف صاحب، حاجی احسان اللہ صاحب، حاجی محمد زمان صاحب، طارق مسعود صاحب، ظفر اقبال سندھو صاحب، جاوید اقبال سندھو صاحب، شاہد اقبال سندھو صاحب، رانا صلاح الدین صاحب، بشارت مہدی صاحب، ڈاکٹر محمد ہاشم صاحب، حمزہ جاوید سندھو صاحب، ڈاکٹر محمد افضل اعزاز صاحب، حافظ محمد اجمل صاحب، اکرام ربانی صاحب، اشفاق ربانی صاحب، عاطف ربانی صاحب، ڈاکٹر محمود الحسن صاحب، پروفیسر محمد مسعود الحسن صاحب، عبداللطیف مرزا صاحب، خورشید تبسم صاحب، سجاد معین چغتائی صاحب، عبدالحمید صاحب، رئیس احمد مرزا صاحب، مرزا اعجاز نبی صاحب، ڈاکٹر نبیل احمد امان صاحب، احمد ولید خرم صاحب، عزت اللہ صاحب، عمر اسلام صاحب، محمد فرحان صاحب، عبدالماجد صاحب، عبدالواجد صاحب، رضا اللہ صاحب، نعمان رفیق صاحب، آفتاب الحسن صاحب، عمران عثمانی صاحب، عرفان عثمانی صاحب، تنویر تبسم صاحب خرم شہزاد صاحب، نعمان بشیر صاحب، حافظ محمد قاسم کامران صاحب، محمد عاصم کامران صاحب، محمد ناظم کامران صاحب، احباب اور شعرا کے پُر زور اصرار پر میں یہ کتاب مَنصَّہ شُہُود پر لا رہا ہوں۔

میں نے اپنے طور پر بالکل ٹھیک لکھنے کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی دوسری کتابوں کی طرح اس کتاب میں بھی سقم ہوں گے۔ جن کو بھی نظر آئیں مجھے مطلع فرمائیں۔ میں اگلے ایڈیشن میں ان کے شکریے کے ساتھ تصحیح کر لوں گا۔

فیض الحسن ناصرؔ

فیض الحسن ناصرؔ

پروفیسر مسعود ہاشمی

زیست کا پیغام ہے فیض الحسن
صبح کا ہنگام ہے فیض الحسن

اس غضب کے فتنہ پرور دور میں
باعثِ آرام ہے فیض الحسن

اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں
لطفِ صبح و شام ہے فیض الحسن

وہ سراپا پیار اور توقیر ہے
راحتِ بے دام ہے فیض الحسن

گلستاں کی دھوپ ہے اس کا وجود
چاندنی کا دام ہے فیض الحسن

آپ اس پر بھی توجہ کیجئے
خوب صورت نام ہے فیض الحسن

پھول سبزہ رنگ شادابی بہار
وادیٔ کالام ہے فیض الحسن

شعر گوئی کی عروضی شکل کا
ایک پختہ دام ہے فیض الحسن

خوش خیالی میں مگن رہتا ہے وہ
حلقۂ اصنام ہے فیض الحسن

پیار کا اوصاف کا اخلاص کا
اک چھلکتا جام ہے فیض الحسن

وہ صلوٰۃ و صوم کا پابند ہے
مظہرِ اسلام ہے فیض الحسن

اس سے مل کر پھر طبیعت کھل اُٹھی
رونقِ ایام ہے فیض الحسن

ساری دنیا گھوم کر آیا ہوں میں
اک حسیں انعام ہے فیض الحسن

ناروے کی صبح ہے اس کا کلام
بیلجیم کی شام ہے فیض الحسن

پی رہا ہے گھونٹ علمِ شعر کا
اِک قدح آشام ہے فیض الحسن

اس کے شعروں میں ہے آفاقی مزاج
عالمی انعام ہے فیض الحسن

دیکھ کر اہلِ زمانہ کا سلوک
لرزہ براندام ہے فیض الحسن

اس سے مل کر لوگ شاعر بن گئے
ایک فیضِ عام ہے فیض الحسن

اتنی فتنہ خیز آبادی کے بیچ
پیار کا پیغام ہے فیض الحسن

قارئین کرام! فیض الحسن ناصر نے اپنی شخصیت کے تعارف میں جو تفصیلی دیباچہ تحریر کر دیا ہے اُس میں کسی اضافے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں تو صرف اِتنا عرض کروں گا کہ فیض الحسن ناصر میرا تایا زاد بھائی ہے اور اُس کے والدِ گرامی اور میرے تایا جان مولوی محمد عبداللطیف افضل بڑے عالمِ دین اور اُردو اور پنجابی کے نہایت عمدہ شاعر تھے۔ شاعری کے معاملے میں شروع شروع میں مَیں بھی اُن کی رہنمائی سے مستفید ہوتا رہا ہوں۔ اور یہ بات بھی نہایت قابلِ ذکر ہے کہ میری نانی مرحومہ کرم بی بی عاجز بھی اُردو اور پنجابی کی شاعرہ تھیں۔ ''گل و گلزار'' کے نام سے اُن کا شعری مجموعہ بھی چھپ چکا ہے جو حمد ونعت اور منظوم مکاتیب پر مُشتمل ہے۔

فیض الحسن ناصر نے اپنی خاندانی شعری روایت میں قابلِ قدر حصہ ڈالا ہے اور مجھے اُمید واثق ہے کہ یہ ورثہ آئندہ نسلوں کو بھی منتقل ہوتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔

سر سیّد نے گجرات کو پنجاب کا خطۂ یونان کہا ہے۔ بلاشُبہ اس سرزمین میں بڑی بڑی نامور شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ پنجابی کے معروف شاعر پیر فضل گجراتی نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں گجرات کو کوئی نہ کوئی سخنور عطا کرتا ہے۔ فیض الحسن نے اسی بات کو یوں بیان کیا ہے۔

گجرات میں مہکتے ہیں پیہم سخن کے پھول
ایسا حسیں تو خطۂ یونان بھی نہیں

مَیں نے اپنے فاضل دوست اور نہایت عمدہ شاعر ڈاکٹر پروفیسر احسان اکبر کو فیض الحسن ناصر کے کچھ شعر سُنائے تو اُن کا فوری تاثُر یہ تھا کہ فیض الحسن ناصر بہت منجھا ہوا شاعر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ فیض الحسن ناصر نے علمِ عروض اور دیگر شعری رموز کے جاننے میں جو عُمر وَر محنت اور ریاضت کی ہے اُس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

فیض الحسن ناصر کی پسندیدہ صنفِ سُخن غزل ہے۔ اُس کی غزل کی کونپل ہماری کلاسیکی غزل کی شاخ سے پُھوٹی ہے۔ غزل گوئی میں فیض نے اپنی مہارت کو کس خُوبی سے بیان کیا ہے۔

پھر مری نوکِ قلم کا کوئی دَم خَم دیکھے
دے زمینیں کوئی دشوار سے دشوار مجھے

فیض الحسن ناصر نے اپنی غزل میں بڑی دلچسپ، نادِر اور مُشکل ردیفیں استعمال کی ہیں اور خوب نبھائی ہیں۔ مثال کے طور پر چند ردیفیں ملاحظہ فرمائیے۔

تَلَذُّذ۔ لحاظ۔ گڈ مڈ۔ سبوتاژ۔ شروع۔ طریق۔ اے کاش۔ میری خاک۔ باعث۔ چھیڑ چھاڑ۔ غلط شاخ۔ طرف وغیرہ

ہمارے شعرا کا یہ محکم عقیدہ ہے کہ حُسن کا بہترین نمونہ نیچر نہیں بلکہ انسان ہے۔ جمال کے اعتبار سے بھی اشرف الخلق ہے۔ فیض کے ہاں اس عقیدے کی چند جھلکیاں دیکھئے۔

چاند ڈُوبا، ستارے ماند ہوئے
تیرے رُخ سے کبھی چمک نہ گئی

غنچوں نے ترے ناز کی نقلیں تو اُتاریں
لیکن نہ کوئی تیرے کمالات کو پہنچے

ارے نازک بدن کیوں سیر کو جاتا ہے گُلشن میں
اجازت دے قدم لینے یہاں گُلزار پہنچیں گے

روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ فیض کے ہاں عصری آگاہی کا آشوب بھی کروٹیں لیتا ہے۔ کیا یہ شعر اقوامِ مُتحدہ اور حفاظتی کونسل کے عالمی اداروں کی کارکردگی پر چسپاں نہیں ہوتا؟

مُنصفوں نے بھی سازشیں کر کے
جھنڈے ظُلم و ستم کے گاڑ دیے

ہمارے مُلک کی سیاسی اَبتری نے ہماری تاریخ کو جس طرح تاراج اور پامال کیا ہے فیض اُس پر بڑے قلق کا اظہار کرتا ہے۔

حَیف اِصلاح کرنے والوں نے
نقش ہر چیز کے بگاڑ دیے

ہم نے جس کو بھی پاسباں جانا
اُس نے دیوار و در اُکھاڑ دیے

کیا سیاسی اور سماجی گُھٹن اور ماحولیاتی آلودگی کی نشاندہی اِسی ایک شعر سے نہیں ہوجاتی؟

جتنا حَبس اب کُھلی فضا میں ہے
حَبس اتنا کسی قفَس میں نہیں

فیض الحسن ناصؔر کی زبانی اپنے پرنٹ میڈیا کا احوال سُن لیجئے۔

خبروں میں حادثے ہیں مضامیں میں سانحے
ناصؔر نِگہ نہ کر کسی اخبار کی طرف

فیض کی دینی اور اسلامی حمیّت بھی بہت قابلِ ذکر ہے۔

مُسلِم ہوں میں کسی سے عداوت نہیں مجھے
رنجش نہیں، حَسَد نہیں، نفرت نہیں مجھے
نہ رہے جہاں میں باقی کوئی نقشِ ظالمانہ
ہو اگر حجاز والا وہ نظامِ عادلانہ

دُشمن سے مری جنگ رہے گی جاری
فرض رَکھّے گا سَدا برسرِ پیکار مجھے

حُبِّ وطن پر فیض کا یہ شعر بہت قابلِ قدر ہے۔

اپنے وطن کے نظّاروں سے لے جاتے ہیں کوسوں دُور
پردیسوں کے ویزے سارے ایک طرح کے ہوتے ہیں

فیض کی غزل میں بعض شگفتہ اور ظریفانہ شعر اپنی چھب دکھاتے ہیں۔

کبھی ہم مُڑ کے تکتے ہیں، کبھی وہ مڑ کے تکتے ہیں
ہمیں ناصؔر جدا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

لاغر و ناتواں ہیں مُریدوں کے تن
پیر کے جسم پر ماس ہی ماس ہے

عشق کے باغ میں پھل نہیں، گُل نہیں
خار ہی خار ہیں، گھاس ہی گھاس ہے
اُس کی کمپارٹ ہے چھے مضامین میں
میرے نزدیک وہ پاس ہی پاس ہے

تری گلی میں جو پہنچے عجب نشہ چھایا
نگاہ میں در و دیوار ہو گئے گڈمڈ

حقیقت یہ ہے کہ پھول کی باس ہی اُس کے وجود کی سچی گواہی دیتی۔ کیوں نہ قارئین کو فیض کے کچھ اور شعر سُناؤں جو عمدگی کا نادِر نمونہ ہیں۔

خَستگی، خَرخَشہ، خَلِش خَجلت
عشق کا ہے ہر ایک باب خراب

بس ایک لمحۂ فرصت ملا تھا مدت بعد
ٹپک پڑا ہے کوئی مرگِ ناگہاں کی طرح

تُو مجھے یار سمجھ، غیر سمجھ، کچھ تو سمجھ
اپنے افسانے میں دے کوئی تو کردار مجھے

مَت سُود و زیاں کے مجھے اَسرار بتاؤ
درویش کو در پیش ہیں کام اور طرح کے

گرچہ ہر ایک سے ہے شناسائی شہر میں
ڈَستی ہے کُو بہ کُو مجھے تنہائی شہر میں
اِک شخص کیا گیا ہے مرا ساتھ چھوڑ کر
میں ہو گیا ہوں اجنبی آبائی شہر میں

مجھے خوشی ہے کہ فیض الحسن ناصؔر میرا عزیز بھی ہے اور شاعرِ ہر دلعزیز بھی۔ اللہ اُسے ہنرِ شعر گوئی میں توفیقِ مزید سے نوازے۔ میرا صمیمانہ مشورہ یہی ہے کہ وہ غالبؔ کے قولِ زرّیں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے کہ شاعری قافیہ پیمائی نہیں معنی آفرینی ہے۔ سچا فنکار وہ ہے جو اچھی قدروں کا پرچار کرے اور اپنا وزن خیر کے پلڑے میں ڈالے۔ فن میں سب سے اہم بات اپنی پہچان اور اپنی انفرادیت بنانا ہے۔ آخر میں مَیں فیض الحسن کے بارے میں اُسی کا مصرع دُہراؤں گا۔

میرے نزدیک وہ پاس ہی پاس ہے۔

انور مسعود

۲۷ فروری ۲۰۲۱ء

سورۃ العٰدیات

منظوم ترجمہ — فیض الحسن ناصر

قسم ھے گھوڑوں کی جو ھانپتے ھوئے دوڑتے ھیں
پھر ٹاپ مار کر آگ جھاڑتے ھیں

مجھ کو قسم ہے اُن کی، گھوڑے جو ہانپتے ہیں
اپنے سموں سے پیہم، شعلے نکالتے ہیں

پھر صبح کے وقت حملہ کرتے ھیں (دشمن پر)
پھر اس وقت غبار اڑاتے ھیں پھر اس وقت جماعت میں جا گھستے ھیں

وقتِ سحر عدو کو، پل میں پچھاڑتے ہیں
گرد و غبار اڑاتے، جھمگٹ کو پھاڑتے ہیں

بے شک انسان اپنے رب کا بڑا نا شکرا ھے
اور وہ خود بھی اس پر گواہ ھے

انسان اپنے رب کا، ناشکرا ہر گھڑی ہے
اور اپنی حرکتوں پر، وہ خود گواہ بھی ہے

اور بے شک وہ مال کی محبت میں بہت سخت ھے

حرص و ہوائے زر میں، جکڑا ہوا ہے انساں
حق ہے بجا ہے سچ ہے، بہکا ہوا ہے انساں

کیا اس کو وہ وقت معلوم نھیں جب زندہ کئے جائیں گے
جتنے مردے قبروں میں ھیں

کیا جانتا نہیں وہ، رب کھول دے گا قبریں
زندہ کرے گا ان کو جو بھی ہیں دفن ان میں

اور آشکار ھو جائے گا جو کچھ دلوں میں ھے
اس دن جو ان کا حال ھو گا اس کے بارے بے شک ان کا
پروردگار خوب آگاہ ھے

مخفی ہے جو دلوں میں، ہر بھید کھول دے گا
رب حال جانتا ہے، اُس دن جو ہو گا ان کا

حمدِ باری تعالیٰ

وہی ہے خالق و مالک زمیں اُس کی سما اُس کا
فضا اُس کی فلک اس کا ہوا اُس کی خلا اُس کا

نہیں والد کوئی اُس کا نہیں اُس کا ولد کوئی
اَحَد ہے وہ صمد ہے وہ ہے اعلیٰ مرتبہ اُس کا

سبھی تسبیح پڑھتے ہیں اُسی کی حمد کرتے ہیں
وہ ہر اِک سے شناسا ہے ہر اِک ہے آشنا اُس کا

نہیں کوئی شریک اُس کا نہیں اُس کا کوئی ثانی
نہیں ہے خاندان اس کا نہیں ہے سلسلہ اُس کا

سمندر میں پہاڑوں میں تھلوں میں مرغ زاروں میں
جدھر جائیں جدھر دیکھیں ہے جلوہ جا بجا اُس کا

سب اُس کا ورد کرتے ہیں سب اُس کا نام جپتے ہیں
ہر اک نوکِ زباں پر ہے مسلسل تذکرہ اُس کا

سبھی دکھ درد مِٹ جائیں بلائیں ساری ٹل جائیں
مصیبت میں جو لب پر نام آئے برملا اُس کا

کبائر سے جو بچ جائیں خطائیں اُن کی مِٹ جائیں
یہی قرآں میں لکھا ہے یہی ہے فیصلہ اُس کا

وہی دونوں جہانوں میں رہیں گے شادماں ناصؔر
نہ ہو گا خوف و غم اُن کو جو لیں گے آسرا اُس کا

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

شاہ کارِ خدا مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ
فخرِ ارض و سما مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ

میرِ کون و مکاں رونقِ جاوداں
دوستِ کبریا مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ

شہرِ علمِ و ہنر فخرِ نور و بشر
بحرِ جود و سخا مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ

آفتابِ عرب شمعِ بزمِ ادب
بدرِ غارِ حرا مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ

آشنائے سُبل پیشوائے رُسل
خاتم الانبیا مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ

سیّدِ سیداں سرورِ سروراں
الہدیٰ و الضحیٰ مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ

شاہِ خُلدِ بریں آفریں آفریں
مرحبا مرحبا مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ

رہ بر و رہ نما مرشِدِ مرشِداں
احمدِ مجتبیٰ مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ

تاج دارِ حرم پادشاہِ عجم
شاہِ خیر الوریٰ مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ

محمدؐ کے اعداد 92 ہیں ۔اس نعت کے اعداد بھی 92 ہیں۔
دنیا میں بنیادی عناصر کی تعداد بھی 92 ہے۔
اس نعت میں کوئی فعل استعمال نہیں کیا گیا اور ہر مصرع مُسَجَّع ہے۔

سوہنا پاکستان

سوہنا پاکستان ہمارا سوہنا پاکستان
ذرہ ذرہ اس کا ہیرا موتی اور مرجان

اس کی مٹی کے آگے ہے سونا چاندی مات
پھل اور پھولوں کی کثرت ہے غلے کی بہتات
ہرے ہرے ہیں کھیت ہمارے بھرے بھرے کھلیان
سوہنا پاکستان ہمارا سوہنا پاکستان

ہر سو ندیاں نالے چشمے دریا اور انہار
رواں دواں ہے ان میں پانی میٹھا ٹھنڈا ٹھار
اس دھرتی پر قدرت کے ہیں لاکھوں ہی احسان
سوہنا پاکستان ہمارا سوہنا پاکستان

ٹھنڈی ٹھنڈی پرچھائیں ہیں اجلی اجلی دھوپ
پتّا پتّا حسن جوانی ڈالی ڈالی روپ
پیارے پیارے نظّاروں پر جان و دل قربان
سوہنا پاکستان ہمارا سوہنا پاکستان

اس دھرتی کا دنیا میں ہے سب سے اونچا نام
ہر وادی ہر بستی کا ہے اپنا ایک مقام
آؤ سارے مل کر اس کی اور بڑھائیں شان
سوہنا پاکستان ہمارا سوہنا پاکستان

اللہ رکھے قائم دائم سدا رہے آزاد
رہے ہمیشہ تابندہ رخشندہ اور آباد
ہنستے بستے رہیں ہمارے صحرا اور میدان
سوہنا پاکستان ہمارا سوہنا پاکستان

سوہنا پاکستان ہمارا سوہنا پاکستان
ذرہ ذرہ اس کا ہیرا موتی اور مرجان

سپاہِ وطن

شہادت کے جذبے سے سرشار ہے، قوی ہے بہادر ہے جی دار ہے
حریفوں کے رستے میں دیوار ہے، حفیظِ بر و بحر و کہسار ہے
شب و روز ہشیار و بیدار ہے، سپاہِ وطن سے ہمیں پیار ہے

ہماری محبت اسی کے لیے، خراجِ عقیدت اسی کے لیے
دلوں میں ہے چاہت اسی کے لیے، ہے تعریف و مدحت اسی کے لیے
وہ سرحد پہ ہر آن تیار ہے، سپاہِ وطن سے ہمیں پیار ہے

شہیدوں پہ رب کی عنایات ہیں، بہشتوں میں ان کے مکانات ہیں
بہت پُر فضا وہ مقامات ہیں، وہاں ان کی خاطر مدارات ہیں
بس ان کے لیے اجرِ بسیار ہے، سپاہِ وطن سے ہمیں پیار ہے

ہمارا مجاہد ہے دائم جواں، شجاعت کا عُنصر ظفر کا نِشاں
مفاداتِ ملت کا ہے پاسباں، ہر اِک معرکے میں ہے وہ کامراں
بہت زور دار اس کی یلغار ہے، سپاہِ وطن سے ہمیں پیار ہے

لرزتے ہیں اس کی دھمک سے عدو، زمانے میں دھوم اس کی ہے چار سُو
ہے گرم اس کے قلب وجگر میں لہو، ہر اِک جنگ میں غالب و سرخ رُو
بڑا کارگر اس کا ہر وار ہے، سپاہِ وطن سے ہمیں پیار ہے

ہیں غازی ہمارے سبھی صف شکن، ریاضت میں رہتے ہیں پَل پَل مگن
نہ زر ان کی خواہش نہ دولت نہ دَھن، اِنہیں ہے فقط اسلحے سے لگن
ہر اِک فرد ان کا پرستار ہے، سپاہِ وطن سے ہمیں پیار ہے

یہ غازی جہاں بھی بڑھائیں قدم، وہاں کامیابی کے گاڑیں عَلَم
کریں فتح کی داستانیں رقم، ہو ناصؔر سدا ان پہ رب کا کرم
بڑی رعب دار ان کی للکار ہے، سپاہِ وطن سے ہمیں پیار ہے

چودھری ظہور الٰہی شہید

چ — چمک رہا ہے ستارا ظہور الٰہی کا
جہان بھر میں ہے چرچا ظہور الٰہی کا

و — وہ خوش مزاج تھا خوش خُو تھا خوش سلیقہ تھا
بڑا ہی نرم تھا لہجہ ظہور الٰہی کا

دھ — دھمک ہے اس کی سیاست کی ساری دنیا میں
ہر اک زباں پہ ہے نعرہ ظہور الٰہی کا

ر — رہِ وفا سے کوئی بھی اسے ہٹا نہ سکا
یقین تھا بڑا پختہ ظہور الٰہی کا

ی — یگانگت کے اصولوں پہ وہ رہا قائم
بڑا کمال تھا شیوہ ظہور الٰہی کا

ظ — ظفر نصیب ہے غالب ہے کامیاب ہے وہ
حمایتی ہے زمانہ ظہور الٰہی کا

ہ — ہزار بار لڑا ظالموں سے وہ تنہا
بڑا جوان تھا جذبہ ظہور الٰہی کا

و — وہ جس جگہ بھی گیا اس کو جاں نثار ملے
بڑا وسیع تھا حلقہ ظہور الٰہی کا

ر — رواں دواں ہیں شجاعت گروپ کے متوالے
ہے سب کے لب پہ ترانہ ظہور الٰہی کا

ا — اسے ملی ہے تب و تابِ جاوداں یارو
بڑا عظیم ہے رُتبہ ظہور الٰہی کا

ل — لہو شہید کا ہر آن رنگ لاتا ہے
ہر ایک شخص ہے شیدا ظہور الٰہی کا

ا — اسی کے نام سے گجرات سر بلند ہے آج
ہے شاندار حوالہ ظہور الٰہی کا

ہ — ہمیں جھکا نہیں سکتا کبھی کوئی آمر
ہمارے دل میں ہے نقشہ ظہور الٰہی کا

ی — یہاں ہیں اور بھی اچھے کئی سیاستداں
مگر مقام ہے اونچا ظہور الٰہی کا

ش — شہادت اُس کو ملی، دائمی حیات ملی
ہے مرتبہ بہت اعلیٰ ظہور الٰہی کا

ہ — ہماری فتح کا سہرا اسی کے سر پر ہے
خیال رکھتی ہے دنیا ظہور الٰہی کا

ی — یہ فخر ہے مجھے حاصل کہ عمر بھر میں نے
دیا ہے ساتھ ہمیشہ ظہور الٰہی کا

د — دعا ہے ربِ رحیم و کریم سے ناصؔر
سدا بھرا رہے ڈیرا ظہور الٰہی کا

ہر شعر کا پہلا حرف ملائیں تو ''چودھری ظہور الٰہی شہید'' بنتا ہے

عارف علی میر

ع — عزیزِ جہاں ہے ملنسار عارف علی میر ہے
جسے سب نے چاہا وہ کردار عارف علی میر ہے

ا — اَزل سے ملی ہے اسے میزبانی ہر اِک شخص کی
قد آور درختِ ثمر بار عارف علی میر ہے

ر — رچاتا ہے شعر و ادب کی محافل وہ ہر حال میں
لطافت کے جذبے سے سرشار عارف علی میر ہے

ف — فراست، نفاست، ذہانت، شرافت ملی ہے اسے
محبت کا پیکر وفادار عارف علی میر ہے

ع عطائے خدا ہے ملی ہے جو اُس کو سخن پروری
ادب کا حقیقی پرستار عارف علی میر ہے

ل لیاقت کا محور ہنر کا سمندر ظفر کا نشاں
ہزاروں جواہر کا انبار عارف علی میر ہے

ی یقین اس کا پختہ عمل اس کا شُستہ فن اس کا جواں
وجودِ کمالاتِ بسیار عارف علی میر ہے

م ملی ہے وراثت میں اس کو مدارت ہے فیاض وہ
عنایات و شفقت کا معیار عارف علی میر ہے

ی یہ مہماں نوازی یہ خوش انتظامی یہ دریا دلی
عوض میں دعا کا طلب گار عارف علی میر ہے

ر رہے ناصؔر اُس کا گھرانہ سلامت قیامت تلک
بڑا خوش مزاج و خوش اَطوار عارف علی میر ہے

شعر

شعر حسنِ بیاں کے چھلکتے ہوئے جام کا نام ہے
شعر دنیائے فن کی ستاروں بھری شام کا نام ہے

شعر زورِ بیاں شعر زینِ زباں شعر فخرِ لساں
شعر اللہ کے خاص اِنعام و اِکرام کا نام ہے

شعر اظہارِ جذبات کی انتہا نطق کا ارتفاع
شعر فکر و تفکّر کی تکمیل و انجام کا نام ہے

شعر وجدان و فیضانِ عقل و شعور و علوم و فنون
شعر حق و صداقت کے اِدراک و اِعلام کا نام ہے

شعر تفسیرِ کون و مکاں شعر تشریحِ ظرف و زماں
شعر اَسرارِ ہستی کی تفہیم و اِفہام کا نام ہے

شعر موجِ تخیُّل کی پرواز بھی دل کی آواز بھی
شعر تعمیرِ احساس کی دعوتِ عام کا نام ہے

شعر تنظیم و ترتیب و موسیقیت کے سِوا کچھ نہیں
شعر قصرِ ترنم کے طاق و در و بام کا نام ہے

شعر علمِ عروض اور علمِ بیاں کا حسیں امتزاج
شعر بحر و بلاغت کے اِجماع و اِدغام کا نام ہے

شعر عکسِ مجاز و حقیقت بھی ہے پرتوِ وہم بھی
شعر مفہوم و مطلب کے اعجاز و اِیہام کا نام ہے

شعر اک بات ہے جو کسی پر کُھلے کچھ تأمُّل کے بعد
شعر الفاظ و معنی کے پُر کیف اِبہام کا نام ہے

شعر ذہنِ رسا پر اُترتا ہے جب جب مچلتا ہے دل
شعر المختصر کشف و اِلقا و اِلہام کا نام ہے

یہ کیا کِیا سراب کو ساگر سمجھ لیا
ہر کج کلہ کو ہم نے قلندر سمجھ لیا

صد حیف ان کی دانش و فہم و شعور پر
تالاب کو جنھوں نے سمندر سمجھ لیا

ایسی ہوا چلی کہ یہاں خاص و عام نے
ہر خشت و سنگ ریزہ کو گوہر سمجھ لیا

شکوہ کیا نہ ہم نے شکایت نہ ہم نے کی
کم مایگی میں لُون کو شکر سمجھ لیا

مجنوں کی طرح اوڑھ لیا ہم نے آسماں
صحرائے خاردار کو بستر سمجھ لیا

فنکار کا نہیں ہے یہاں کوئی قدر داں
کج مج زباں کو سب نے سخنور سمجھ لیا

کوشش نہ کی جتن نہ کیا جُہد وجِد نہ کی
ناکامیوں کو ہم نے مقدر سمجھ لیا

ہونا تھا جو وہ ہو کے رہا ناصؔر ایک دن
رہزن کو جب عوام نے رہبر سمجھ لیا

بحرِ وَافِر مُثَمَّنْ سَالِم

مَفَاعِلَتُنْ مَفَاعِلَتُنْ مَفَاعِلَتُنْ مَفَاعِلَتُنْ

اگرچہ بہت، ثقیل ہوا، جواب ترا، گراں نہ ہوا
ہم اگلے جہاں، میں ہوں گے بہم، مِلاپ اگر، یہاں نہ ہوا

ہزار الم، صنم نے دیے، نہ آہ بھری، نہ شکوہ کیا
کسی کو بھی کچھ، خبر نہ ہوئی، کسی پہ بھی غم، عیاں نہ ہوا

اگرچہ ہمیں، ملے کئی غم، تڑپتے رہے، سلگتے رہے
مگر رہے چپ، گِلا نہ کیا، سرِ شک کوئی، رواں نہ ہوا

امیدِ ثمر، نہ اُس سے رکھو، پھلے گا نہ وہ، نہ پھولے گا وہ
بہار میں جو، پنپ نہ سکا، وہ پودا کبھی، جواں نہ ہوا

وہ دردوالم، وہ رنج وقلق، وہ غیض وغضب، ملے ہیں مجھے
کہ حالِ دروں، کسی بھی طرح، زباں سے مری، بیاں نہ ہوا

ہر اک سے سدا، وفا پہ وفا، دَیَا پہ دَیَا، میں کرتا رہا
جفا پہ جفا، کریں گے سبھی، نہ جانے یہ کیوں، گماں نہ ہوا

وہ جانِ غزل، جدا جو ہوا، تو پھر ہوا کیا، بتائیں ذرا
ہمارا قلم، کچھ ایسے رُکا، کہ پھر سے رواں، دواں نہ ہوا

ترے قلم کا کرشمہ ہمیں نہ راس آیا
ہمارے حصے میں اِک دشتِ کرب و یاس آیا

تمام رات اِسی آس میں تمام ہوئی
ابھی قدح ابھی ساغر ابھی گلاس آیا

نقاب اُٹھا کے جو کلیاں نظارہ کرتی ہیں
یہ کون آج گلستاں میں کم لباس آیا

بھڑک اُٹھا وہ ستم گر لبوں پہ اُنگلی رکھی
مری زباں پہ جونہی حرفِ التماس آیا

رقیب و غیر کو دائم براجماں پایا
میں تیری بزم میں جب بھی گیا اداس آیا

گُل و گلاب کھلے میرے دل کے آنگن میں
کسی کی زلفِ معطّر کا جب پڑا سایہ

جہاں نہ جانے کی کرتا رہا ہمیں تلقین
وہیں سے پی کے سدا شیخِ بدحواس آیا

کسی خوشی کو پکارا جو میں نے اے ناصرؔ
کوئی الم کوئی صدمہ کوئی ہراس آیا

ہم سے اک بُت بھی رام ہو نہ سکا
ہائے اتنا بھی کام ہو نہ سکا

ان کے آنے سے ایسا رشک ہوا
ہم سے کچھ انتظام ہو نہ سکا

آب و ِگل تھے ہم آب و ِگل ہی رہے
ہم سے کوئی بھی کام ہو نہ سکا

ہائے کس تیزرَو سے پالا پڑا
راہ میں بھی کلام ہو نہ سکا

صرف دکھلائے ناز ساقی نے
ایک بھی دورِ جام ہو نہ سکا

دوڑ دھوپ آہوؤں نے کی دن رات
تیرے جیسا خِرام ہو نہ سکا

بعدِ غالبؔ کسی بھی شاعر کا
شعر گوئی میں نام ہو نہ سکا

عیب گیروں نے سر دُھنے ناصؔر
میرے فن میں کلام ہو نہ سکا

بت پہ مرنے کا سبب یاد آیا
وہ مری بھول تھی اب یاد آیا

چار سُو اہلِ ہوس بیٹھے تھے
بزمِ جاناں سے کلب یاد آیا

ایلوپیتھی کی دوا کھا کھا کے
جاں بلب کو بھی مطب یاد آیا

دل کے سوئے ہوئے ارماں جاگے
بھولا بسرا کوئی جب یاد آیا

کر چکے بت کے حوالے دل جب
تب حسب اور نسب یاد آیا

دل نہ دینے کی قسم کھائی تھی
پیار کر بیٹھے تو تب یاد آیا

پڑ گئے ماند سبھی جام و سبو
شربتی لب ترا جب یاد آیا

عشق میں اجڑے تھے ہم اے ناصؔر
رفتہ رفتہ ہمیں سب یاد آیا

عشق میں ہوتے ہیں شباب خراب
ہم ہوئے ہیں مگر شتاب خراب

تیرے آگے ہے نوبہار خجل
لالہ و نرگس و گلاب خراب

شمع تیرے حضور خستہ و خاک
روبرو تیرے ماہتاب خراب

عاشقوں کے ہیں سب سوال اچھے
ہیں حسینوں کے سب جواب خراب

شیخ جی کو نظر گُزر کی دی
تا نہ ہو نشّۂ شراب خراب

رنج دینے کے ہیں ہزار طریق
تیوریوں سے نہ کر نقاب خراب

اب تو اتنا بھی ہم کو ہوش نہیں
ٹھیک ہے ٹھیک اور خراب خراب

بد سے بد تر ہوا ہمارا حال
کر گیا شوقِ انقلاب خراب

وقتِ تسبیح یادِ گُل بدَناں
کرتی رہتی ہے کچھ حساب خراب

خستگی خرخشہ خَلِش خجلت
عشق کا ہے ہر ایک باب خراب

اس قدر تو نہیں بُرے ہم لوگ
جس قدر ہے ترا عتاب خراب

کچھ ہمیں تشنگی نے خوار کیا
کچھ ہمیں کر گیا سراب خراب

اور کر عشق نازنینوں سے
نیند پُر اضطراب خواب خراب

پوچھ مت حالِ حضرتِ ناصؔر
عشق میں ہو گئے جناب خراب

جا بجا ہم نے جا کے دیکھا روپ
کہیں دیکھا نہ آپ جیسا روپ

شادمانی کبھی نکھار گئی
بے دلی نے کبھی بگاڑا روپ

یہی کہنے کو ہر کلی چٹکی
کس قدر ہے ترا سہانا روپ

آج گلشن ہمیں حَسین لگا
آج دھارا گلوں نے تیرا روپ

باغ میں تُو نے کیا قدم رکھا
ہو گیا باغ کا سَوایا روپ

یوں تو کلیاں بھی ہیں حسین بہت
منفرد ہے مگر تمھارا روپ

ناصؔر اُس رشکِ مہرومہ کے سِوا
ہم کو بھایا نہیں کسی کا روپ

نظر آئی ہے ترے تیرِ نظر کی صورت
کیا سے کیا ہونے کو ہے میرے جگر کی صورت

صورت آتی تھی نظر گھر میں بیاباں کی کبھی
اب بیاباں میں نظر آتی ہے گھر کی صورت

کہیں ٹکنے ہی نہیں دیتے مسائل مجھ کو
نکل آتی ہے کوئی پھر سے سفر کی صورت

کبھی آزار کبھی رنج کبھی غم کبھی درد
ایک جیسی ہے یہاں آٹھ پہر کی صورت

رفتہ رفتہ سبھی پتّوں نے جدائی دے دی
مجھ سے دیکھی ہی نہیں جاتی شجر کی صو رت

اور تو کام کوئی ہوتا نہیں فرقت میں
دیکھتے رہتے ہیں ہم راہگزر کی صورت

آہ کرتے ہیں جگر تھام کے رہ جاتے ہیں
نظر آتی ہی نہیں کوئی اثر کی صورت

وہ اگر آگ بگولا ہوئے جاتے ہیں تو کیا
لالہ میں بھی نظر آتی ہے شرر کی صورت

شاعری اور صحافت میں تفاوُت نہ رہا
مصرعوں میں نظر آتی ہے خبر کی صورت

ہجر میں ہم تو اِدھر ڈھیر ہوئے جاتے ہیں
کوئی بتلائے ہمیں آ کے اُدھر کی صورت

روشنی کہتے ہیں کس کو ہمیں معلوم نہیں
ہم نے دیکھی ہی نہیں کوئی سحر کی صورت

منتظر ہوں کسی دِلدار کا ہر دم ناصرؔ
ہے کُھلے در کی طرح دیدۂ تر کی صورت

نگہ سے ایسی کسی نے ہمیں لگائی چوٹ
کہ کر گئی جگر و دل تلک رسائی چوٹ

کچھ اس طرح سے تڑپنے لگا ترا بسمل
کہ دیکھنے کے لئے آئی کُل خدائی چوٹ

جریحِ تیغِ ادا کا عجیب حال ہوا
کبھی چھپائی کبھی اس نے خود دِکھائی چوٹ

ستم شعار نے وہ زخمِ جاوداں بخشا
کہ بعدِ مرگ بھی دیتی رہی دہائی چوٹ

ہمیں تو ہوش نہیں ہے بتو پتا ہے تمھیں
تمھیں بتاؤ کہ ہم نے کہاں سے کھائی چوٹ

پھر اس کے بعد ہمیں نیند ہی نہیں آئی
جو تیری یاد نے سوئی ہوئی جگائی چوٹ

نگاہِ تیز کا احسان مند ہوں ناصرؔ
جہاں جہاں لگی دل کو بہت لبھائی چوٹ

اِس جاں پہ بنی تھی ترے اِنکار کے باعث
اب جان میں جان آئی ہے اِقرار کے باعث

محفل میں تُو آیا ہے تو کِھل اُٹھے ہیں چہرے
ہر منہ پہ ہے رونق ترے دیدار کے باعث

اے جانِ بہاراں تجھے معلوم نہیں ہے
ہے باغ میں خوشبو تری مہکار کے باعث

شیریں سخن اک فون ہی کر مجھ کو کسی روز
کانوں میں گُھلے رس تری گفتار کے باعث

آتے ہیں گُل اندام کئی میری خبر کو
آباد ہے یہ گھر ترے بیمار کے باعث

کچھ داد ملے حسنِ مضامیں کے سبب سے
کچھ داد ملے خوبیٔ اظہار کے باعث

لہراتے ہیں پتے جو درختوں پہ مسلسل
ہلچل ہے فضا میں تری رفتار کے باعث

کس بت کی محبت میں گرفتار ہے ناصؔر
سب راز کھلیں گے انہی اشعار کے باعث

ہم کیا بتائیں کیسا ہے اس شوخ کا مزاج
اس کا کبھی بھی دیکھا نہیں ایک سا مزاج

میدانِ حشر میں بھی اکٹھے نہ ہوں گے ہم
میرا الگ طریق ہے اس کا جدا مزاج

یہ واقعہ نہ ہو گا کسی معجزے سے کم
جیتے جی اس کا مجھ سے اگر مِل گیا مزاج

بے داد گر سے فیض کی اُمید چھوڑ دے
بدلا ہے اے ندیم کسی کا بھلا مزاج

یہ بات پختہ ہے، نہیں اس میں کوئی کلام
اَسفل وہی ہے شخص ہے جس کا بُرا مزاج

اس کے مزاج پر کوئی کیا تبصرہ کرے
ایسا کہیں نہ دیکھا نہ ایسا سنا مزاج

میری سمجھ میں بات یہ آئی نہ آئے گی
کیوں بات بات پر ترا برہم ہوا مزاج

کوئی بتاؤ حضرتِ ناصؔر کو کیا ہوا
اچھا بھلا مذاق تھا اچھا بھلا مزاج

جب کیا اس نے گلستاں سے کوچ
کر گئے طائر آشیاں سے کوچ

یاد آئیں گی حسرتیں ساری
جس گھڑی ہوگا اِس جہاں سے کوچ

تیرے در کی فضا کے کیا کہنے
کیوں کروں تیرے آستاں سے کوچ

تم اٹھو گے جہاں جہاں سے صنم
ہم کریں گے وہاں وہاں سے کوچ

کیا خبر تھی زمیں رُلائے گی
جب کیا ہم نے آسماں سے کوچ

ہو گئیں ساری منزلیں معدوم
کر گیا کون کارواں سے کوچ

جانِ محفل نظر نہیں آتا
ناصر آؤ کریں یہاں سے کوچ

ملے وہ غیر کو جا جا کے مہرباں کی طرح
ہمارے کوچے سے گزرے کڑی کماں کی طرح

نشاط و عیش میں جو محو تھے شہاں کی طرح
بجھے بجھے ہیں وہ لوگ آج نوحہ خواں کی طرح

دعائے خیر کی اُن سے امید ہے ہم کو
زباں چلاتے ہیں جو خنجر و سناں کی طرح

کہاں کا چین کہاں کا سکوں کہاں کی خوشی
ہر ایک لمحہ گزرتا ہے امتحاں کی طرح

ہوئے ہیں کربِ اسیری سے اس قدر مانوس
قفس بھی ہم کو لگے اب تو آشیاں کی طرح

ہر ایک لفظ مرا ان کو نا پسندیدہ
عدو کی بات وہ سنتے ہیں داستاں کی طرح

وہی فغاں وہی ماتم وہی اداسی ہے
بہار آئی ہے اس بار بھی خزاں کی طرح

کبھی تو پوچھ کہ کیا حال ہے دوانے کا
پڑا ہوں در پہ ترے سنگِ آستاں کی طرح

بہت ستائے ہوئے ہیں بہت اداس ہے جی
لگائے کوئی گلے ہم کو مہرباں کی طرح

بزرگ و واعظ و ناصح سے تنگ آئے ہیں
کوئی تو ہم کو ملے آ کے قدر داں کی طرح

نشانِ رہ کا پتا ہے نہ منزلوں کی خبر
سفر میں ہیں کسی بے ربط کارواں کی طرح

یہ کون غنچہ دہن آج یاں سے گزرا ہے
مہک رہا ہے مرا شہر گلستاں کی طرح

مہ و کواکب و انجم کو رہ دکھاتی ہے
یہ کس کی مانگ چمکتی ہے کہکشاں کی طرح

بس ایک لمحۂ فرصت ملا تھا مدت بعد
ٹپک پڑا ہے کوئی مرگِ ناگہاں کی طرح

پیوں کا شوق سے ساقی قلیل ہے تو کیا
ہے بوند بوند مجھے بحرِ بے کراں کی طرح

نکل کے خلد سے ناصؔر کہیں اماں نہ ملی
رُلا رہی ہے زمیں ہم کو آسماں کی طرح

پسند اِس قدر آئی گلاب کی ہر شاخ
لبوں سے ہم نے لگائی گلاب کی ہر شاخ

ترے لبوں سی نزاکت کہیں نہیں دیکھی
چمن میں ہم نے ہِلائی گلاب کی ہر شاخ

جونہی رکھا چمنستاں میں تم نے پہلا قدم
تمھاری دید کو آئی گلاب کی ہر شاخ

اگر وہ بات کرے منہ سے پھول کیوں نہ جھڑیں
ہے اُس کے لب میں سمائی گلاب کی ہر شاخ

ہر اِک نے نقل اُتاری تمھارے غمزوں کی
ہمارے دل کو لبھائی گلاب کی ہر شاخ

تمھارے لب سی نہ رنگت نہ خوشبوئیں دیکھیں
تمھارے لب سے مِلائی گلاب کی ہر شاخ

کوئی تو آیا ہے گلچیں چمن میں اے ناصؔر
کہ دے رہی ہے دہائی گلاب کی ہر شاخ

سبھی کو ہے یاں شان و شوکت پسند
مگر ہم کو ہے بس قناعت پسند

کسی کو نہ تنقید اچھی لگے
یہاں ہر کوئی ہے حمایت پسند

ہے جبّہ سنہری کُلہ نقرئی
وہ آئے ہیں شیخِ قناعت پسند

لگا رہتا ہے دل کو کھٹکا مدام
مرا جانِ جاں ہے شکایت پسند

یہ غمزہ یہ عشوہ یہ ناز و ادا
ہمیں ہے تری ہر اشارت پسند

رسومات کو پوجتے ہیں سبھی
کوئی بھی نہیں یاں حقیقت پسند

نہیں مجھ کو بھاتی یہ تہذیبِ نو
رہوں گا میں ناصؔر قدامت پسند

جونہی ادیب کے افکار ہو گئے گڈمڈ
فسانے کے سبھی کردار ہو گئے گڈمڈ

جہاں میں شعبدہ بازوں کی بھی ہوئی تعریف
جہول و صاحبِ اسرار ہو گئے گڈمڈ

تری گلی میں جو پہنچے عجب نشہ چھایا
نگاہ میں در و دیوار ہو گئے گڈمڈ

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کسے کہیں اپنا
وفا شعار و ستم گار ہو گئے گڈمڈ

کنارہ کس سے کریں کس سے اختلاط کریں
عدو و یار و طرف دار ہو گئے گڈمڈ

بتوں کی یاد جب آئی تو اشک اُمڈ آئے
میں لکھنے بیٹھا تو اشعار ہو گئے گڈمڈ

یہ کون ٹھونس گیا شاعری میں نثری نظم
اناڑی اور قلم کار ہو گئے گڈمڈ

ہنسیں کہ اشک بہائیں پتہ نہیں چلتا
کچھ اِس طرح سے سماچار ہو گئے گڈمڈ

جہاں سے اُٹھ گئی افسوس نیک و بد کی تمیز
شریف اور گنہ گار ہو گئے گڈمڈ

غبار و دُود نے اندھیر کر دیا ناصؔر
تمام شہر کے آثار ہو گئے گڈمڈ

تمھاری ہر اک بات میں ہے تَلَذُّذ
رموز و اشارات میں ہے تَلَذُّذ

کسی کو مناجات میں ہے تَلَذُّذ
کسی کو خرابات میں ہے تَلَذُّذ

وہ ساون کی بارش میں لذت کہاں
جو آنکھوں کی برسات میں ہے تلذذ

بتوں کو اسی واسطے چھیڑتا ہوں
کہ ان کی شکایات میں ہے تلذذ

اُمیدِ وفا گو نہیں ہے بتوں سے
بتوں کی مدارات میں ہے تلذذ

ہمیں رنج و غم دیں کہ درد و الم دیں
بس اُن کی عنایات میں ہے تلذذ

بہت لطف ہے استعاروں میں یارو
مگر جو محاکات میں ہے تلذذ

تمھیں اس لیے داد ملتی ہے ناصؔر
تمھارے خیالات میں ہے تلذذ

درد اُٹھے تو نہ آئے کوئی درماں ہو کر
زخم کُھلنے پہ سب آتے ہیں نمکداں ہو کر

دیکھتا ہوں حسد و رشک میں حیراں ہو کر
کس قدر شاد ہے کوئی ترا درباں ہو کر

آزمائے کئی دارو کئی درماں لیکن
زخم سینے پہ رہا چاکِ گریباں ہو کر

تیرے آنے کی خبر باعثِ تسکیں کیوں ہو
ہم تو جانے کو ہیں دنیا سے پریشاں ہو کر

چند قطروں سے تو پیاس اور بھی بڑھ جاتی ہے
مستقل آؤ یہاں آؤ نہ مہماں ہو کر

یوں کرؤ یوں نہ کرؤ یہ نہ کرؤ وہ نہ کرو
کتنی مشکل میں ہوں میں صاحبِ ایماں ہو کر

زندگی بیت گئی ہے اِسی خوش فہمی میں
ابھی آتا ہے کوئی درد کا درماں ہو کر

چاند اُترا جو ترے کان کا بالا بن کے
کہکشاں آئی تری مانگ میں افشاں ہو کر

مانگ میں تارے لئے چاند جبیں پر رکھے
کون آیا ہے سرِ بزم چراغاں ہو کر

داد مطلوب ہے مجھ کو نہ ستائش مقصود
حالِ دل اپنا میں کہتا ہوں غزل خواں ہو کر

خستہ جاں لاکھ پھریں کوئے بتاں میں تا حشر
بام پر کوئی نہ آئے گا پریشاں ہو کر

ایک سے ایک یہاں آئے ہزاروں گلچیں
کوئی آیا نہ گلستاں کا نگہ باں ہو کر

کوئی کہتا ہے جلال اِس کو تو کوئی غصّہ
جس طرف بھی گئے ناصؔر گئے طوفاں ہو کر

کیوں ہم کریں نہ جا کے حسینوں سے چھیڑ چھاڑ
کرتی ہے زلف ان کی جبینوں سے چھیڑ چھاڑ

اک آہ کی جو ہم نے تو روؤ گے حشر تک
کرتے ہو آ کے گوشہ نشینوں سے چھیڑ چھاڑ

کیا آپ کو عزیز نہیں اپنی عز و جاہ
کیوں کر رہے ہیں آپ کمینوں سے چھیڑ چھاڑ

زلفوں کو ناگنوں کو بتوں کو نہ چھیڑنا
مہنگی پڑے گی آپ کو تینوں سے چھیڑ چھاڑ

دریا کے پار بستے ہیں جن کے قرارِ جاں
کرتے نہیں وہ لوگ سفینوں سے چھیڑ چھاڑ

کیوں اپنے زخم ہائے جگر کو رفو کروں
کرتا ہے کون گھر کے مکینوں سے چھیڑ چھاڑ

غالبؔ سا ایک شعر بھی کہنا ہے جب محال
کرتے ہو کیوں پھر اس کی زمینوں سے چھیڑ چھاڑ

ناصؔر ہمارے دل میں نہ کیوں اضطراب ہو
ان سے ہوئی نہیں جو مہینوں سے چھیڑ چھاڑ

ہم ہوئے خاک ترے لب پہ ہے انکار ہنوز
نہیں پیدا ہوا تجھ ایسا ستم گار ہنوز

رنگ لائی ہی نہیں گرمیٔ افکار ہنوز
ہاتھ آیا ہی نہیں گوہرِ شہوار ہنوز

ابھی آئے ہو ابھی جانے کی باتیں نہ کرو
دل میں باقی ہے صنم حسرتِ دیدار ہنوز

دیکھتے ہیں کہ مقدر میں جدائی ہے کہ وصل
مختفی ہیں نگۂ یار کے اَسرار ہنوز

خیر کی کوئی خبر پڑھنے کو ملتی ہی نہیں
خوش ہوں فی الحال کہ دیکھا نہیں اخبار ہنوز

وعدہ کر کے نہیں آیا وہ مرا جانِ غزل
تشنۂ رنگِ تغزل ہیں یہ اشعار ہنوز

حالِ بربادیٔ دل خود کو سنا لو ناصؔر
جان جانے کو ہے آیا نہیں غم خوار ہنوز

مسکن کو سبوتاژ سنگھاسن کو سبوتاژ
کر دیں گے ہر اِک قلعۂ دشمن کو سبوتاژ

کرنا نہ ہمارے چمنستاں پہ چڑھائی
کر دیں گے ترے لالہ و سوسن کو سبوتاژ

یلغار نہ کرنا کبھی دھرتی پہ ہماری
کر دیں گے ترے خوشہ و خرمن کو سبوتاژ

کرنا نہ کبھی فوج کشی پاک وطن پر
کر دیں گے تمھارے ہر اِک آنگن کو سبوتاژ

ہم لوگ ہیں پُر امن اگر تُو نے ستایا
کر دیں گے ہم آ کر ترے مامن کو سبوتاژ

کرنا نہ ہمارے گل و گلزار پہ حملہ
کر دیں گے ترے نقشۂ گلشن کو سبوتاژ

اللہ کے فضل و کرم و حکم سے ناصؔر
کر دیں گے تدابیرِ بَرَہمن کو سبوتاژ

جتنے الم ہیں میرے دلِ ناتواں کے پاس
اتنے الم تو ہوں گے نہ کون و مکاں کے پاس

آزار ہیں غضب ہیں مظالم ہیں قہر ہیں
کیا کچھ نہیں مرے لیے اُس بدگماں کے پاس

بیٹھے ہیں میری گھات میں یوں درد و رنج و غم
جیسے بچھے ہوں جال کسی آشیاں کے پاس

پیتا ہوں صبح و شام جو اس چشمِ مست سے
ایسی کہاں ہے مے کسی پیرِ مغاں کے پاس

کیسے ہو کوئی وصل کی تدبیر کارگر
سو حیلے اور بہانے ہیں اس بد گماں کے پاس

خواہش ہے خوشبوؤں کے جِلو میں بسر کروں
اِک گھر بناؤں جا کے ترے آستاں کے پاس

ناصؔر کو راس آئی نہیں محفلِ نشاط
اب روز بیٹھتا ہے کسی نوحہ خواں کے پاس

اس بت سے مجھے پیار نہ ہوتا اے کاش
مجھ کو کوئی آزار نہ ہوتا اے کاش

آزاد فضائیں مجھے یاد آتی ہیں
الفت میں گرفتار نہ ہوتا اے کاش

چلتی نہیں تدبیر کوئی اس بت پر
اتنا تو وہ ہشیار نہ ہوتا اے کاش

دیتا ہے تُو آزار بھی آسائش بھی
دوہرا ترا معیار نہ ہوتا اے کاش

ہر اک سے مجھے بحث نہ کرنی پڑتی
اتنا میں سمجھ دار نہ ہوتا اے کاش

آ آ کے مرا درد بڑھا جاتے ہیں
اپنا کوئی غم خوار نہ ہوتا اے کاش

ناصؔر کہیں ملتا ہی نہیں پل بھر چین
میں عشق میں یوں خوار نہ ہوتا اے کاش

مال و دولت کی ہوس ہے نہ ہمیں جام کی حرص
ہے ہمارے رگ و پے میں کسی گُل فام کی حرص

تیرا دیدار ہی کافی ہے تسلی کے لیے
اب نہیں اور کسی راحت و آرام کی حرص

شاید آ جائے ترس تجھ کو مری حالت پر
ساقیا دیکھ ذرا مجھ قدح آشام کی حرص

جو ترے ساتھ منائی تھی وہی کافی ہے
میرے جی میں نہیں اب اور کسی شام کی حرص

میرے اشعار کو سو رنگ عطا کرتی ہے
میرے سینے میں جو ہے اِک سحَر اندام کی حرص

کیوں کروں دشت نوردی میں کوئی قیس نہیں
ہے مِری دید کو بس تیرے در و بام کی حرص

اس قدر درد سے مانوس ہوا ہوں ناصؔر
دلِ ناشاد کو ہے اب فقط آلام کی حرص

عاشق کو شان و شوکت و شہرت سے کیا غرض
لعل و زر و جواہر و دولت سے کیا غرض

اہلِ ہوس ہیں ان کو محبت سے کیا غرض
چاہت سے کیا غرض انہیں الفت سے کیا غرض

حق کو بلند کرنے گیا تھا سو کر گیا
شبیرؓ کو حکومت و حشمت سے کیا غرض

ہوں حال مست و خاک بسر چھیڑتے ہو کیوں
مجھ کو چمن کی سیر و سیاحت سے کیا غرض

فائز ہیں ہم فراق کے اعلیٰ مقام پر
محفل سے کیا غرض ہمیں جلوت سے کیا غرض

دو چار جام اور چڑھا اور عیش کر
اے شیخ تجھ کو پند و نصیحت سے کیا غرض

آئے ہیں خون چوسنے دولت سمیٹنے
حُکّام کو عوام کی غربت سے کیا غرض

وحشت کا ذکر کیجیے صحرا کا تذکرہ
اہلِ جنوں کو لطف و لطافت سے کیا غرض

قصّے سنا شگفتنِ گل ہائے ناز کے
ہم عاشقوں کو وعظ و خطابت سے کیا غرض

صبر و رضا کی بات قناعت کا ذکر کر
درویش کو تحائف و خلعت سے کیا غرض

فتویٰ فروشیوں میں ہیں مصروف رات دن
ان مفتیوں کو دین کی حُرمت سے کیا غرض

ناصرؔ کلام جن کا ہے بے بحر و بے مزا
ان کو قلم کی حرمت و عظمت سے کیا غرض

کھاتے ہیں آپ روز قسم پر قسم غلط
بتلایئے کہ آپ غلط ہیں کہ ہم غلط

غیروں کو روز روز پلائیں نگاہ سے
کیجے کبھی تو آپ ہمارا بھی غم غلط

کیوں اُن سے میں کہوں کہ تم آؤ گے یا نہیں
کیا فائدہ وہ کھائیں گے اور اِک قسم غلط

پُر خار راستہ تو نہیں تھا قصور وار
منزل کی جانب اُٹھا تھا پہلا قدم غلط

لکھا جو حالِ دل تو جواب اُس کا یہ ملا
ہر لفظ و حرف تُو نے کیا ہے رقم غلط

فرصت ملے جو تجھ کو تو ناصح یہ سوچنا
دنیا میں کس قدر ہے ترا دم قدم غلط

عشاق سے توقعِ جور و جفا عبث
معشوق سے اُمیدِ وفا و کرم غلط

ہر چند ٹھیک بات کروں میں بجا کہوں
ناصؔر مجھے کہیں گے صنم دم بہ دم غلط

جن کو نہیں ہے قبلۂ حاجات کا لحاظ
کرتا نہیں میں اُن کی کسی بات کا لحاظ

ساقی نے آنکھ تک نہ مِلائی تمام رات
جذبات کا لحاظ نہ برسات کا لحاظ

آئے ہو تھوڑی دیر تو بیٹھو ہمارے پاس
کچھ تو رکھو نشست و ملاقات کا لحاظ

اُس کی ہر ایک بات پہ دھرتے ہیں کان ہم
جس کو نہیں ہماری کسی بات کا لحاظ

صحرا نوردیاں کبھی اختر شماریاں
دن کا لحاظ ہے نہ ہمیں رات کا لحاظ

کیوں شوق سے نہ لوگ مرا تبصرہ سُنیں
کرتا ہوں بات، رکھ کے میں حالات کا لحاظ

جس نے طلب کیا اُسے دل دے دیا شتاب
عاشق ہوں کیوں رکھوں نسب و ذات کا لحاظ

کرتا ہوں بات منہ پہ ہمیشہ کھری کھری
رکھتے ہیں لوگ اپنے مفادات کا لحاظ

لفظوں سے کھینچتا ہوں تصاویر صاف صاف
رکھتا ہوں بحر و وزن و مُحاکات کا لحاظ

دو چار میٹھے بول ہی بولو ہمارے ساتھ
کچھ تو رکھو ہماری مدارات کا لحاظ

اک تم ہو میری بات سُنی اَن سُنی کرو
کرتے ہیں خاص و عام مری بات کا لحاظ

اک محشرِ لحاظ ہے دامانِ شاعری
الفاظ کا لحاظ، خیالات کا لحاظ

ناصؔر ہمارے شعر مزیدار کیوں نہ ہوں
رکھتے ہیں ہم سخن میں مذوقات کا لحاظ

ہے آرزوئے سمع تری بات ہو شروع
پھر چاند تیرا ذکر کرے رات ہو شروع

ہے انگبیں سے بڑھ کے تکلم میں ذائقہ
باتیں کرو کہ دورِ مذوقات ہو شروع

ہے اقتضائے صبر کہ اشکوں کو روک دوں
آنکھوں کی آرزو ہے کہ برسات ہو شروع

قابو کیا ہے دِل کو بہت مشکلوں کے بعد
اے کاش پھر نہ فتنۂ جذبات ہو شروع

نم دار گیسوؤں کو نہ رکھو لپیٹ کر
کھولو انہیں کہ موسمِ برسات ہو شروع

اِک بحرِ نشّہ ہے تری آنکھوں میں موج زن
نظریں ملا کہ دورِ خرابات ہو شروع

آتا ہے میرے ذہن میں اِک تُند خُو کا نام
ناصؔر جہاں بھی گردشِ حالات ہو شروع

میرے دل میں ہے تیرے پیار کی شمع
گُل نہ کرنا یہ اعتبار کی شمع

عاجزی ہی میں ہے بھلا تیرا
مت جلا فخر و افتخار کی شمع

تو جہاں میں فراز پائے گا
دل میں روشن رکھ انکسار کی شمع

تا قیامت جلائے رکھوں گا
اے صنم تیرے انتظار کی شمع

جس کو شعروں میں ضوفشاں باندھا
اُس نے گُل کی مرے مزار کی شمع

جس نے لُوٹا عوام کو دن رات
بجھ گئی اُس کے اقتدار کی شمع

آ رہے ہیں وہ صبر کر ناصؔر
بجھنے پائے نہ انتظار کی شمع

بڑا اندھیرا ہے کوئی کہیں سے لائے چراغ
دکھائی کچھ نہیں دیتا کوئی جلائے چراغ

شبِ فراق کی تاریکیاں مگر نہ مٹیں
جلا جلا کے کئی ہم نے آزمائے چراغ

جدا جدا ہے طبیعت الگ الگ ہے مزاج
کوئی چراغ جلائے کوئی بجھائے چراغ

تمہاری تاب کے آگے کوئی بھی ٹِک نہ سکا
تمہارے سامنے رکھ کر کئی جلائے چراغ

بجھا ہوا ہے جو پھر سے چراغ جل اٹھے
جو قصہ میری شبِ ہجر کا سنائے چراغ

جلا کے رکھ تو دیا ہے تمہارے رستے میں
لگا ہوا ہے یہ دھڑکا کہ بجھ نہ جائے چراغ

ترِا کلام نہ کیوں خلق کو پسند آئے
شبِ سیاہ میں ناصؔر سبھی کو بھائے چراغ

اُٹھتی ہے جب نگہ مری دل دار کی طرف
مچتی ہے ایک کھلبلی اغیار کی طرف

جاتا ہوں جب بھی اپنے طرف دار کی طرف
لگتا ہے آ گیا ہوں ستم گار کی طرف

سب دیکھتے ہیں مال کی جھنکار کی طرف
کب دیکھتا ہے یاں کوئی کردار کی طرف

کرتے ہیں دُور ہی سے سلام اب عزیز بھی
آتا نہیں کوئی ترے بیمار کی طرف

کیفیتِ طبیعتِ جاناں نہ پوچھیے
اقرار کی طرف کبھی انکار کی طرف

اب کیوں نہ اس جہاں سے کہیں دُور جا بسیں
اب جا رہے ہیں یار بھی اغیار کی طرف

منصور سے ہے مجھ کو ملاقات کی غرض
جاتا ہوں اشتیاق سے ہر دار کی طرف

کانٹوں کا سرخ رنگ سناتا ہے داستاں
آیا ہے کوئی وادیٔ پُرخار کی طرف

بیٹھے ہیں بزمِ ناز میں عشاق دم بخود
ہے ہاتھ دل پہ اور نظر یار کی طرف

اتنی بھی بے رُخی نہیں اچھی کہو اُسے
دیکھے کبھی تو طالبِ دیدار کی طرف

خبروں میں حادثے ہیں مضامیں میں سانحے
ناصرؔ نگہ نہ کر کسی اخبار کی طرف

ناز اٹھانے کے ہیں ہزار طریق
دل لبھانے کے ہیں ہزار طریق

تیری نیت اگر ہو ملنے کی
اِدھر آنے کے ہیں ہزار طریق

غیر کی بات بار بار نہ کر
ظلم ڈھانے کے ہیں ہزار طریق

اُسی کوچے میں جاؤں کیوں دن رات
رنج اُٹھانے کے ہیں ہزار طریق

عشق بازی ہی پر نہیں موقوف
گھر لٹانے کے ہیں ہزار طریق

ہم سنیں گے نہ بات ناصح کی
بھاگ جانے کے ہیں ہزار طریق

گو منانے کے سو طریقے ہیں
روٹھ جانے کے ہیں ہزار طریق

کیوں قصیدے ہی ہم لکھیں ناصؔر
سر چڑھانے کے ہیں ہزار طریق

تہہِ زمیں کہیں مٹی سے جا ملی مری خاک
جہاں سے آئی تھی آخر وہیں گئی مری خاک

میں ایک بار گیا تھا بتوں کی محفل میں
بس اتنا یاد ہے بیٹھا تھا پھر اُٹھی مری خاک

تمہاری راہگزر سے چُھٹا نہ ساتھ مرا
ہوا جو خاک تو رہ پر جمی رہی مری خاک

کیا ہے زہرہ جبینوں نے پائمال مجھے
قیامِ حشر تلک دے گی روشنی مری خاک

سرِ مزار نہ آنا کہ غیر دیکھیں گے
اُڑی اُڑی تری رنگت رُلی رُلی مری خاک

وہ کوئے یار کی یادیں نہ دل سے محو ہوئیں
جہاں بسر ہوا جیون جہاں مِٹی مری خاک

کچھ آنسوؤں نے مٹائی کچھ آہِ سوزاں نے
رہِ بُتاں میں ہوئی گُم رہی سہی مری خاک

مری شگفتہ مزاجی ڈھکی چھپی نہ رہی
گُل و گلاب کِھلے واں جہاں دبی مری خاک

میں جیتے جی تو چھپاتا رہا جگر کے داغ
بلند ہو گئے شعلے جونہی گڑی مری خاک

اُٹھا میں خاک سے ناصؔر ہوا بہشت نشیں
بہ فضلِ ربِ عُلیٰ کیا سے کیا بنی مری خاک

ہے کوئی اور عاشقی سا روگ
عاشقی ہی ہے روح لیوا لوگ

حال مست اور مال مست ہیں سب
کون جانے گا یاں ہمارا روگ

کام ہو گا تمام جلد اس کا
لگ گیا جس کو عاشقی کا روگ

کون آیا مرے خیالوں میں
کس نے سویا ہوا جگایا روگ

روگ جیسا دیا ہے تو نے ہمیں
کون دے گا کسی کو ایسا روگ

کیوں کریں ہم گلہ زمانے کا
کب کسی نے کسی کا جانا روگ

اب کسی سے نہیں کوئی امیّد
چارہ گر نے کیا سَوایا روگ

ناز پر ناز اٹھا کے اے ناصؔر
ایک پر ایک تُو نے پالا روگ

کوئی دُکھائے دل یہاں کوئی جلائے دل
کوئی بھرے جہان میں کس سے لگائے دل

آتی ہے بار بار لبوں پر یہی دعا
ہو جائے وہ نصیب مرا جس پہ آئے دل

کوئی نہیں جہاں میں تمھارے سوا مرا
تم ہی بتاؤ کس سے کہوں ماجرائے دل

کیا کیا توقعات ہیں اس شوخ سے مجھے
جس پر کُھلا نہیں مرا رنگِ وفائے دل

ہے کوئی زخم خوردہ یہاں کوئی نیم جاں
کس کو دِکھاؤں جا کے میں یہ داغ ہائے دل

عشاق کے سِوا تو کسی کو خبر نہیں
کیا کیا شبِ فراق میں صدمے اٹھائے دل

ہیں چارہ گر تو ایک سے ایک اس جہان میں
لیکن کوئی طبیب نہ جانے دوائے دل

اک بے وفا کا نام سنائی دیا مجھے
میں نے سنی جو غور سے ناصرؔ نوائے دل

نِت نئے رنج و الم سے پاک ہو جائیں گے ہم
ایک دن راہِ بتاں میں خاک ہو جائیں گے ہم

اے حواسِ خمسہ ہر اک بات کی تہہ میں نہ جا
اس طرح تو کُشتۂ اِدراک ہو جائیں گے ہم

آج ٹھکرائے ہوئے ہیں چرخِ کج انداز کے
کل مہِ کامل سرِ افلاک ہو جائیں گے ہم

کوزہ گر نے ہم کو ہیئت بخشی تھی جس خاک سے
ایک دن اُس خاک کی خوراک ہو جائیں گے ہم

تیرے اِن حیلوں بہانوں اور لاروں کے طفیل
ایک دن تیری طرح چالاک ہو جائیں گے ہم

ہم تو مر کر ہو گئے وردِ زبانِ عاشقاں
تُو نے سمجھا تھا خس و خاشاک ہو جائیں گے ہم

اب کہاں وہ قربتیں اُس کی ہمیں حاصل میاں!
جانتا تھا عشق میں بیباک ہو جائیں گے ہم

دہر میں پالا پڑا ہے گرم خوؤں سے ہمیں
بحرِ نارِ عشق میں تیراک ہو جائیں گے ہم

تن بدن اِک روز بے نام و نشاں ہو جائے گا
زیرِ خاک اک خاک کی پوشاک ہو جائیں گے ہم

جو بھی آتا ہے ہمارے نام کر جاتا ہے غم
رفتہ رفتہ صاحبِ اَملاک ہو جائیں گے ہم

راہِ اُلفت میں چلے تھے کتنے ذوق و شوق سے
ناصؔر اب لگتا ہے عبرت ناک ہو جائیں گے ہم

سفینہ اپنا کہاں ٹھہرے اب خدا معلوم
نہ منزلوں کی خبر ہے نہ راستہ معلوم

میں کس جہان میں گم ہوں کسی کو کیا معلوم
نہیں ہے مجھ کو بھی اپنا اتا پتا معلوم

کسی کو عارِضۂ عشق تو نہ ہو لاحق
یہ وہ مرض ہے کہ جس کی نہیں دوا معلوم

نہ جانے عشق میں یہ کیسا موڑ آیا ہے
نہیں ہے اب ہمیں اپنا بھلا بُرا معلوم

سمجھ کے سادہ دل اس کو دل اس پہ وار دیا
پتہ چلا کہ ستم گر ہے، جب کیا معلوم

بس اتنا یاد ہے اِک بُت سے دل لگایا تھا
ملی ہے سخت سزا ، پر نہیں خطا معلوم

میں ان کے در پہ رہوں گا ابد تلک ناصؔر
بتوں کو ہو کہ نہ ہو میرا مدعا معلوم

اتنی عزیز ہم کو اکھیاں تمھاریاں ہیں
اک اک نظر پہ سو سو نظراں اُتاریاں ہیں

کچھ بے قراریاں ہیں کچھ آہ و زاریاں ہیں
تقدیر میں ہماری اختر شماریاں ہیں

'چھنکار' چوڑیوں کی نغمے لٹا گئی ہے
باہیں اُٹھا کے کس نے زلفاں سنواریاں ہیں

کیوں بزم میں تمھاری کھنچتے چلے نہ آئیں
قند و نبات جیسی باتاں تمھاریاں ہیں

نوکِ زباں پہ آئی باتاں کو روکتے ہو
اپنوں سے آج کیسی یہ پردہ داریاں ہیں

ارماں لہو لہو ہیں آ جاؤ جانِ جاناں
فرقت نے میرے دل میں چھریاں اُتاریاں ہیں

جس راستے سے چاہے وہ خوش خرام آئے
ہر رہگزر میں ہم نے کلیاں 'کھلاریاں' ہیں

اِتنا حسین پہلے یہ گلستاں نہیں تھا
کلیوں نے آج تیری نقلاں اُتاریاں ہیں

اے محوِ خواب تم کو اتنی خبر کہاں ہے
آنکھوں میں ہم نے کتنی راتاں گزاریاں ہیں

لگتا ہے رات ساری سویا نہیں ہے تو بھی
آنکھیں تری بھی بوجھل میری بھی بھاریاں ہیں

ناصؔر مشاعروں میں کیوں داد ہم نہ پائیں
کیف و سرور سے پُر غزلاں ہماریاں ہیں

ہر گُل بدن کے لب پر اشعار ہیں تمھارے
ناصؔر میاں تمھاری کس کس سے یاریاں ہیں

حیران ہوں یہاں کوئی حیران بھی نہیں
سہتے ہیں ظلم اور پریشان بھی نہیں

اُس بے وفا کی یاد کو دل سے نکالنا
مشکل اگر نہیں ہے تو آسان بھی نہیں

آتا نہیں جو وہ تو میں جاتا نہیں کہیں
جب میزباں نہیں ہوں تو مہمان بھی نہیں

وہ شخص جس کے دل میں نہیں عشق موجزن
کافر نہیں ہے گر تو مسلمان بھی نہیں

یاروں سے اجتناب ، رقیبوں سے اتصال
یہ کفر اگر نہیں ہے تو ایمان بھی نہیں

در ہے مقفل اُس کا مگر کھٹکھٹائیں گے
گر فائدہ نہیں ہے تو نقصان بھی نہیں

باطل! کسی گھمنڈ میں کرنا نہ ہم پہ وار
ہم چُست اگر نہیں ہیں تو ہلکان بھی نہیں

استاد جانتے ہیں کہ شعری رموز سے
واقف اگر نہیں ہوں تو انجان بھی نہیں

اپنے جہانِ شعر کو پرکھا ہے بارہا
آباد اگر نہیں ہے تو ویران بھی نہیں

پاتا ہوں داد شعر کی ہر خاص و عام سے
حالانکہ شاعری مرا میدان بھی نہیں

آیا ہے اب کوئی مرا احوال پوچھنے
آئے گئے کی جب مجھے پہچان بھی نہیں

کوئی بتاؤ عشق کے کس موڑ پر ہیں ہم
دل میں گمان بھی نہیں ایقان بھی نہیں

اس عمر میں کہوں گا میں کیا زور کی غزل
اب وہ ترنگ بھی نہیں وہ جان بھی نہیں

آوارہ گردیوں کی رہیں دل میں حسرتیں
افسوس نزد کوئی بیابان بھی نہیں

گجرات میں مہکتے ہیں پیہم سخن کے پھول
ایسا حسیں تو خطۂ یونان بھی نہیں

عشقِ بتاں میں حضرتِ ناصؔر فنا ہوئے
یہ سچ اگر نہیں ہے تو بہتان بھی نہیں

نمایاں تھا کبھی مجنوں محبت کرنے والوں میں
سرِ فہرست اپنا نام ہے اب خستہ حالوں میں

کشش رکھی ہے یہ کیسی خدا نے مہ جمالوں میں
کھنچے آتے ہیں پروانے اندھیروں میں اجالوں میں

ہوئے ہم خاک لمحوں میں کسی بے درد کے ہاتھوں
بگڑتے تھے نصیب آگے مہینوں اور سالوں میں

سراپا ایک لکھا تھا کسی گلفام کا ہم نے
ہمارا نام بھی آتا ہے اب شعری حوالوں میں

اگر اب بھی نہیں سمجھے تو پھر وہ خاک سمجھیں گے
بتایا تھا جواب اُن کو سوالوں ہی سوالوں میں

پھپھولے پاؤں کے پھوٹیں تو صحرا زیرِ آب آئیں
کہاں سے آ گئے دریا سمٹ کر میرے چھالوں میں

ہوئے ہم تارک الدنیا اور اِک چپ سادھ لی ہم نے
اثر دیکھا جب آہوں میں نہ شیون میں نہ نالوں میں

اسے شَــرَّ یَّــرَہ کہیے مکافاتِ عمل کہیے
وہ چھینٹوں کو ترستے ہیں جو پیتے تھے پیالوں میں

نہیں جس کو گوارہ نام بھی سننا مرا ناصؔر
اُسی کا نام جپتا ہوں میں خوابوں اور خیالوں میں

یوں تو ہر ایک سے ہے شناسائی شہر میں
ڈستی ہے کوبکو مجھے تنہائی شہر میں

اک شخص کیا گیا ہے مرا ساتھ چھوڑ کر
میں ہو گیا ہوں اجنبی آبائی شہر میں

سیلاب کے خطر میں رہیں گے نشیبی شہر
سجتی رہیں گی محفلیں بالائی شہر میں

شعر و سخن کی سجتی ہیں دن رات محفلیں
اہلِ نظر نے لی ہے پھر انگڑائی شہر میں

پہچانتے نہیں مجھے میری گلی کے لوگ
اب اور ہو گی کیا مری رسوائی شہر میں

دیوان چھپ گئے ہیں کئی شاعروں کے یاں
لیکن عروض داں ہیں فقط ڈھائی شہر میں

ناصؔر ہی اک جنون کا مارا نہیں یہاں
تم کو ملیں گے اور بھی سودائی شہر میں

کوئی نہیں، آپ سا، کوئی نہیں
ایک بھی یاں دل رُبا کوئی نہیں

جس کا نہیں، چارہ کچھ، عشق ہی ہے
اور مرض، لادوا، کوئی نہیں

منہ تو اُٹھا، سامنے، دیکھ ذرا
سامنے اب، آئنہ، کوئی نہیں

فضل و کرم، کر خدا، فضل و کرم
تیرے سوا، آسرا، کوئی نہیں

آگے گلی، بند ہے، کیا میں کروں
اور یہاں، راستہ، کوئی نہیں

میری خطا، تو بتا، کیا ہے صنم
مجھ سے ترا، رابطہ، کوئی نہیں

کس کو ملوں، ناصؔر اب، جاؤں کہاں
دہر میں اب، آشنا، کوئی نہیں

میرا ملنا کسی کے بس میں نہیں
میں تو خود اپنی دسترس میں نہیں

جتنا حبس اب کھلی فضا میں ہے
حبس اتنا کسی قفس میں نہیں

تیرے ہونٹوں میں جو حلاوت ہے
وہ حلاوت لبِ مگس میں نہیں

وصلِ یک لمحہ میں جو لذت ہے
وہ مزا خلد کے برس میں نہیں

ہے انہیں بھی عزیز آزادی
فکرِ روزی جنھیں قفس میں نہیں

ہجر نے یہ کیا ہے حال مرا
آنکھ میں اشک خون نس میں نہیں

جو مزا ناصرؔ اُس کی بات میں ہے
وہ مزا تو گلوں کے رس میں نہیں

تصور میں تُو محوِ گفتگو ہے اور میں ہوں
تُو گویا سامنے ہے، روبرو ہے اور میں ہوں

جدھر بھی دیکھتا ہوں تُو نظر آتا ہے مجھ کو
جہانِ رنگ و بو میں صرف تُو ہے اور میں ہوں

گزرتے ہیں مرے دن رات گویا گلستاں میں
خیالوں میں وہ زلفِ مشکبُو ہے اور میں ہوں

اگرچہ اُس کی محفل میں کئی بیٹھے ہوئے ہیں
مگر لگتا ہے بس وہ شعلہ رُو ہے اور میں ہوں

وہ مدحت گنگناتا ہوں جو لکھی تھی کسی کی
وہ مدحت زینت و زیبِ گلو ہے اور میں ہوں

نہ ساقی ہے نہ پیمانہ نہ ساغر ہے نہ مینا
بس اِک ویرانہ ہے خالی سبو ہے اور میں ہوں

کبھی آنکھوں میں بستے تھے نظارے مہ وشوں کے
اب آنکھوں میں فقط اِک آبجو ہے اور میں ہوں

نہ جانا ہے کہیں مجھ کو نہ آنا ہے کسی کو
اُداسی ہی اُداسی چار سُو ہے اور میں ہوں

عبث مجھ سے تقاضے کرنے آ جاتی ہے دنیا
فقط اِک شاعرانہ آبرو ہے اور میں ہوں

خلش میں جو مزہ لُوٹا وہ تسکیں میں نہ آیا
کسی بیدرد کی پھر جستجو ہے اور میں ہوں

گریباں پھر کیا تھا چاک جو ناصؔر جنوں میں
پھر اُس چاکِ گریباں کا رفو ہے اور میں ہوں

کارِ الفت کو ہمیں لوگ سنبھالے ہوئے ہیں
آج بھی انجمنِ شعر اُجالے ہوئے ہیں

آج کل حضرتِ مجنوں ہیں جہاں محوِ خرام
وہ بیابان ہمارے ہی کھنگالے ہوئے ہیں

ایک 'مس کال' تری آئی ہے اِک مدت بعد
کیا کبھی یوں غمِ فرقت کے اِزالے ہوئے ہیں

ہیں ہمارے ہی لئے حور و خیام و خدام
گرچہ مدت ہوئی جنت سے نکالے ہوئے ہیں

فتنۂ حشر سے ہم تو نہیں ڈرنے والے
ہم کہ دنیا میں غم و خوف کے پالے ہوئے ہیں

کچھ تو اوروں نے دیے ہیں ہمیں آزار و الم
اور کچھ روگ ہیں خود ہم نے جو پالے ہوئے ہیں

اب نہ زندوں میں نہ مُردوں میں ہے گنتی اپنی
ہائے! ہم کیسے ستمگر کے حوالے ہوئے ہیں

کسی کروٹ ہمیں کیوں چین ملے اے ناصؔر
پیکرِ درد و غم و رنج میں ڈھالے ہوئے ہیں

رنج و غم کے نقشے سارے ایک طرح کے ہوتے ہیں
مظلوموں کے چہرے سارے ایک طرح کے ہوتے ہیں

مزدوروں کے سپنے سارے ایک طرح کے ہوتے ہیں
خواب ارمان ادھورے سارے ایک طرح کے ہوتے ہیں

یاروں کے در پر جاتے ہیں جان ہتھیلی پر رکھ کر
مجنوں مرزے رانجھے سارے ایک طرح کے ہوتے ہیں

اِک اِک گام پہ سو سو جانیں دینا پڑتی ہیں پیہم
آزادی کے رستے سارے ایک طرح کے ہوتے ہیں

اپنے وطن کے نظّاروں سے لے جاتے ہیں کوسوں دُور
پردیسوں کے ویزے سارے ایک طرح کے ہوتے ہیں

عشوہ و رمز و ناز و ادا میں کوئی ایسا فرق نہیں
قتلِ عام کے آلے سارے ایک طرح کے ہوتے ہیں

کیا پروانہ کیا دیوانہ کیا بھونرا اور کیا ناصؔر
جوشِ جنوں کے مارے سارے ایک طرح کے ہوتے ہیں

رس بھری تری باتیں
یاد ہیں سبھی باتیں

یاد رکھ بھلی باتیں
بھول جا بُری باتیں

اِک نگاہ سے کوئی
کر گیا کئی باتیں

بھول جا پریشانی
کر خوشی خوشی باتیں

پھر کرے کوئی آ کر
ہم سے پیار کی باتیں

ہائے رہ گئیں دل میں
کتنی اَن کہی باتیں

آج ہم کو جانے دو
ہوں گی پھر کبھی باتیں

چھیڑ پھر غزل ناصؔر
چھوڑ دوسری باتیں

اب جہاں میں وفا تو ہے ہی نہیں
اب کسی سے گلا تو ہے ہی نہیں

بس دعا مانگ اے مریضِ عشق
اس مرض کی دوا تو ہے ہی نہیں

حُسن میں مست ہیں پری پیکر
بولنا چالنا تو ہے ہی نہیں

عشق ہی فتنہ گر ہے دُنیا میں
دوسرا تیسرا تو ہے ہی نہیں

مت جھجک آنکھ اُٹھا بُرا مت مان
سامنے آئنہ تو ہے ہی نہیں

در پہ ٹکنے کا اِذن دے ہم کو
کوئی اور التجا تو ہے ہی نہیں

شاعری میں کریں گے غور و غوض
اور کچھ سوچنا تو ہے ہی نہیں

آہ کی اور عرش پر پہنچی
درمیاں فاصلہ تو ہے ہی نہیں

کون سمجھے گا میری باتوں کو
یاں کوئی دل جلا تو ہے ہی نہیں

اِک شفاعت کی آس ہے ہم کو
کوئی اور آسرا تو ہے ہی نہیں

لوگ کہتے ہیں موسمِ گُل ہے
پُھول کوئی کِھلا تو ہے ہی نہیں

تا قیامت رہیں گے ہم زندہ
شاعری کو فنا تو ہے ہی نہیں

پھر بھی کہتے ہو "چپ رہو ناصرؔ"
لب ابھی وا ہوا تو ہے ہی نہیں

یونہی عمر ساری گزر گئی نہ ملیں ہمیں تری قربتیں
وہی بے کسی وہی بے بسی وہی دوریاں وہی فرقتیں

یہ کوئی نئی نہیں کشمکش یہ مخاصمت تو ازل سے ہے
دلِ عاشقاں میں محبتیں لبِ دلبراں پہ ملامتیں

کئی طرز و طور بدل گئے کئی ماہ و سال گزر گئے
وہی اہلِ حُسن کی نفرتیں وہی اہلِ عشق کی اُلفتیں

اُٹھے اس جہان سے الغرض بسے اس جہان میں جا کے ہم
رہیں جی کی جی ہی میں خواہشیں، رہیں دل کی دل ہی میں حسرتیں

ہمیں جن سے الفت و اُنس کی کوئی آس ہے نہ امید ہے
ہیں پسند ہم کو نہ جانے کیوں وہی صورتیں وہی مورتیں

بڑے ذوق وشوق سے چل پڑے یہ پتا نہ تھا یہ خبر نہ تھی
رہِ عشق میں کئی رنج ہیں کئی آفتیں کئی کلفتیں

میں تو ہوں ازل ہی سے با وفا وہ شروع سے ستم آزما
مجھے الفتوں سے ہیں نسبتیں اُسے نفرتوں سے ہیں رغبتیں

چلو اس جہان سے ناصرؔ اب یہاں راستے ہیں بہت کٹھن
یہاں گام گام پہ سنگ ہیں یہاں موڑ موڑ پہ دقتیں

ہزار شکوے کرو پاس آ کے بات کرو
یہ کیا کہ سارے جہاں کو سنا کے بات کرو

اگر علیحدگی ہی کی ٹھان لی ہے صنم
تو اک گِلا نہ کرو کُھل کُھلا کے بات کرو

یہ پتھروں کے صنم ٹس سے مس نہیں ہوتے
ہزار آہ بھرو گِڑگِڑا کے بات کرو

ہر آن تیوری پہ تیوری چڑھائے رکھتے ہو
کبھی تو ہم سے صنم کِھلکِھلا کے بات کرو

برائے دید و شنید آئے ہیں بصد ارماں
سنگھار سولہ کرو جگمگا کے بات کرو

اشاروں اور کنایوں کو بھی سمجھتا ہوں
تو کیا ضرور ہے تم گڑگڑا کے بات کرو

زمانے بھر کے ستائے ہوئے ہم آتے ہیں
کبھی تو جانِ غزل مسکرا کے بات کرو

رخِ حسیں پہ عتاب و غضب نہیں سجتے
پری جمال ہو کیوں تلملا کے بات کرو

ہزار بار دلِ زار نے کہا ناصؔر
اگر وہ آتے نہیں تم ہی جا کے بات کرو

اسی کشمکش میں جاناں گیا بیت اِک زمانہ
مرا پے بہ پے تقاضا ترا نِت نیا بہانہ

نہ رہے جہاں میں باقی کوئی نقشِ ظالمانہ
ہو اگر حجاز والا وہ نظامِ عادلانہ

رگِ جاں ابھی ہے سالم ذرا پھر سے آزمانا
وہ ادائے جارحانہ وہ نگاہِ قاتلانہ

کروں کس سے میں شکایت کہوں کس سے میں حکایت
اُٹھا جب بھی کوئی طوفاں بنا مرا گھر نشانہ

ہمیں کیا اگر چمن میں گل و لالہ کھل رہے ہیں
نہ رہی وہ شاخ جس پر تھا ہمارا آشیانہ

یہ بزرگ و شیخ و زاہد یہ امام و پیر و مُرشِد
نہ طریقِ عارفانہ نہ کلامِ عالمانہ

میں نے جن بتوں پہ ناصؔر کیا جان و دل نچھاور
نہ وہ اپنا بھید کھولیں نہ سنیں مرا فسانہ

جوانی ڈھل گئی ہے دل کی نادانی نہیں جاتی
تصور سے پری چہروں کی تابانی نہیں جاتی

کچھ اِس انداز سے کرتے ہیں وہ آرائشِ گیسو
پھر اِک عرصے تک آئینے کی حیرانی نہیں جاتی

چلے ہو عشق کرنے، شوق سے جاؤ، مگر سن لو
لبوں سے آہ اور آنکھوں سے طغیانی نہیں جاتی

ہمیں فرقت کے صدموں نے کیا ہے بیقرار ایسا
کہ وقتِ وصل بھی دل کی پریشانی نہیں جاتی

محبت کرنے والوں کا یہی اول یہی آخر
بہار آتی ہے لیکن دل کی ویرانی نہیں جاتی

ہم اس بستی کے باسی ہیں ہم اس دنیا میں رہتے ہیں
جہاں اب امن میں بھی خوں کی ارزانی نہیں جاتی

بوقتِ عرض ہونٹوں پر جو آہِ نیم کش آئے
تو کہتے ہیں تری تمہیدِ طولانی نہیں جاتی

تری محفل سے جو نکلے لحد میں بھی وہ پچھتائے
چلی جاتی ہے جاں لیکن پشیمانی نہیں جاتی

سبھی کرتے نظر آتے ہیں دعوے پارسائی کے
مگر نیت کسی کی صاف پہچانی نہیں جاتی

نہ جانے کن خیالوں میں مگن رہتے ہیں ہم ناصرؔ
کٹھن حالات ہیں پھر بھی تن آسانی نہیں جاتی

کیا تفاخُر کیا اکڑ کیا شیخی اپنے نام کی
کیوں لگائیں مسکنوں پر تختی اپنے نام کی

پڑھنے لکھنے کا تکلف ہم سے اب ہوتا نہیں
ڈاکیے کو موڑ دی ہے چٹھی اپنے نام کی

تشنگی سی تشنگی ہے بے کلی سی بے کلی
آج ہم کو مے پلاؤ ساقی اپنے نام کی

ایک بھی انعام ہم نے عمر بھر پایا نہیں
جب بھی نکلی سادہ نکلی پرچی اپنے نام کی

تیرے منہ سے پھول جھڑتے کاش ہم بھی دیکھتے
تیری محفل میں نہ پائی کرسی اپنے نام کی

نامہ تیرا جب نہ آیا اور اِک عرصہ ہوا
تیری جانب سے لکھی خود چٹھی اپنے نام کی

مبتدی بھی فیض پانے آئے دن آتے رہے
لاج ہم نے بھی ہمیشہ رکھّی اپنے نام کی

کارڈ کیوں چھپوائیں ہم اپنے تعارف کے لئے
کیوں کریں تشہیر اتنی سستی اپنے نام کی

بار بار آیا لبوں پر الحفیظ و الاماں
حشر میں تحریر جب جب دیکھی اپنے نام کی

مختصر سی زندگی ہے عارضی سا ہے قیام
کیوں لگائیں مسکنوں پر تختی اپنے نام کی

کہتے ہیں فیض الحسن ناصر مجھے خود غور کر
میں تجھے کیا کیا بتاؤں خوبی اپنے نام کی

عمر بھر ناصؔر کسی نے ہم کو پہچانا نہیں
جاں سے جائیں گے تو شہرت ہوگی اپنے نام کی

زندگی چین سے بسر نہ ہوئی
رات کاٹی مگر سحر نہ ہوئی

میں رہِ حق میں چل پڑا تنہا
بے کسی مانعِ سفر نہ ہوئی

وہ نگہ بھی کوئی نگہ ہے میاں
جو دخیلِ دل و جگر نہ ہوئی

وہ نہ آئے تو اُن کی یاد آئی
شاخِ اُمّید بے ثمر نہ ہوئی

تیرے تیرِ نگاہ کے آگے
کوئی تدبیر بھی سِپر نہ ہوئی

آ کے محفل میں ہم جدھر بیٹھے
ہائے تیری نظر اُدھر نہ ہوئی

کچھ زبانی بھی اُن کا حال بتا
کیا کوئی بات نامہ بر نہ ہوئی

جھوٹ کو یاں ملی پذیرائی
ہائے سچائی معتبر نہ ہوئی

کس دن اُس کا نہ انتظار کیا
آنکھ کس شام تر بتر نہ ہوئی

ہم ہوئے خاک جن کی راہوں میں
ناصرؔ اُن کو کوئی خبر نہ ہوئی

بجھ گیا دل لپک جھپک نہ گئی
پھول مرجھا گیا مہک نہ گئی

اب بھی کوئے بتاں کو جاتے ہیں
کعبے ہو آئے پر بھٹک نہ گئی

کبھی زیرِ نقاب دیکھی تھی
پھر بصارت سے وہ جھلک نہ گئی

اب بھی خواب و خیال میں ہیں صنم
لُٹ گیا دل مگر لٹک نہ گئی

میرے ارمان جی کے جی میں رہے
وصل میں بھی تری جھجک نہ گئی

جانے کس تند خُو نے زخم دیے
مندمل تو ہوئے تپک نہ گئی

وہ کوئی دشت تھا کہ زہرستاں
کانٹا نکلا مگر کھٹک نہ گئی

آشیاں تو بنا لئے پھر سے
ذہن سے کوند اور لپک نہ گئی

چاند ڈوبا ستارے ماند ہوئے
تیرے مکھ سے کبھی چمک نہ گئی

ہم تری جستجو میں جانِ جاں
واں بھی پہنچے جہاں سڑک نہ گئی

اُس کی تقدیر میں کہاں رونق
جو گلی تیرے گھر تلک نہ گئی

توبہ توبہ خرامِ ناز اُن کا
پائل اُتری مگر کھنک نہ گئی

کُھلتے کُھلتے وہ کھل گئے لیکن
لاج، تشویش اور جھپک نہ گئی

ایسے درماں کو کیا کرے کوئی
زخم تو بھر گئے چسک نہ گئی

تیرے بسمل کی عظمتوں کو سلام
دم مسافر ہوا پھڑک نہ گئی

اُف ستم گر نے وہ ستم ڈھائے
دفن کے بعد بھی کسک نہ گئی

اہلِ دولت کا حال مت پوچھو
قبر تک آ گئے للک نہ گئی

زعم سا زعم ہے اکڑ سی اکڑ!
رُل گئے پر چٹک مٹک نہ گئی

ہے کوئی محفلِ سخن ایسی
میرے فن کی جہاں دھمک نہ گئی

مہ جبینوں کی بزم تھی ناصؔر
شمع بجھنے پہ بھی دمک نہ گئی

ناصؔر اُس زلفِ خم بہ خم کا نہ پوچھ
گو ہوا تھم گئی لہک نہ گئی

تمام عِطر تری زلف سے کشید ہوئے
گُل و گلاب و سمن سب ترے مرید ہوئے

تمھارے نقشِ کفِ پا پہ ہو گئے قرباں
تمھاری راہگزر میں کئی شہید ہوئے

تری گلی میں جو پہنچے وہ ہو گئے تیرے
پیام بر ہوئے، قاصد ہوئے، بَرید ہوئے

یہ کس نے زلف سرِ بزم رخ پہ لہرائی
حواسِ ظاہری و باطنی مرید ہوئے

ہزار دھند پڑے لُو چلے غبار اُٹھے
تری گلی کے نہ موسم کبھی شدید ہوئے

کبھی تو اے مرے شیریں سخن سجا محفل
زمانے ہو گئے باتیں تری شنید ہوئے

اب ایک عرصہ ہوا ہے غزل نہیں لکھی
اب ایک عرصہ ہوا ہے تمھاری دید ہوئے

سجائے تُو نے جبیں پر جو زلف کے حلقے
تمھارے سر کی قسم رشکِ ماہِ عید ہوئے

ہمیں سے قیس نے آدابِ عاشقی سیکھے
جہانِ عشق میں اپنے کئی مرید ہوئے

ترس گئی تھی سماعت ترے تکلّم کو
تمام شکوے ترے باعثِ نوید ہوئے

ترا خیال رواں کر گیا طبیعت کو
اُٹھایا پھر سے قلم شعر کچھ مزید ہوئے

ہمارے شعر حوالے بنے سَنَد ٹھہرے
ہمارے شعر ہر اک دَور میں مفید ہوئے

کسی کے غمزہ و رمز و اشارہ سے ناصؔر
ہمارے شعر لگاتار مستفید ہوئے

آج کل کام میں ’لاس‘ ہی ’لاس‘ ہے
خوف ہی خوف ہے یاس ہی یاس ہے

عشق کے باغ میں پھل نہیں گُل نہیں
خار ہی خار ہیں گھاس ہی گھاس ہے

ہجر دے درد دے رنج دے روگ دے
تیری ہر شے ہمیں راس ہی راس ہے

دل مرا دشت ہے یا ہے صحرا کوئی
ہول ہی ہول ہے پیاس ہی پیاس ہے

اس کی کمپارٹ ہے چھے مضامین میں
میرے نزدیک وہ پاس ہی پاس ہے

لاغر و ناتواں ہیں مریدوں کے تن
پیر کے جسم پر ماس ہی ماس ہے

کتنے شیریں ہیں یہ شربتی لب ترے
شہد ہی شہد ہے 'چاس' ہی 'چاس' ہے

کس نے لہرائی ہے زلف ناصر یہاں
ہر طرف عطر کی باس ہی باس ہے

نہ جانے ہم سے وہ بے وفا کیوں کنارہ کش ہے خفا خفا ہے
الگ الگ ہے جدا جدا ہے پرے پرے ہے کھچا کھچا ہے

تری نگہ نے مرے جگر کے کئے ہیں ٹکڑے ہزار جاناں
جگر کو ہونا تھا ٹکڑے ٹکڑے، جگر جگر ہے نگہ نگہ ہے

بہار آئی بہار گزری خزاں بھی آئی خزاں بھی گزری
جو زخم تُو نے دیا تھا ہم کو ابھی تلک وہ ہرا ہرا ہے

تمہارے کوچے میں اے ستم گر جسے بھی دیکھا ہے پاس جا کر
بُجھا بُجھا ہے گُھلا گُھلا ہے رُلا رُلا ہے مَرا مَرا ہے

غضب کیا ہے ستم کیا ہے دیا ہے دل ہم نے کم سِنوں کو
اُنھیں تو اتنی خبر نہیں ہے وفا ' وفا ہے جفا ' جفا ہے

عجیب دَور آ گیا ہے دیکھو اُداسیاں ہی اُداسیاں ہیں
کسی کی رنگت اُڑی اُڑی ہے کسی کا چہرا ڈھلا ڈھلا ہے

ہمارا ملنا ہے بالکل آساں کسی سے پوچھو پتہ ہمارا
ہماری شہرت گلی گلی ہے ہمارا چرچا جگہ جگہ ہے

ہمیں تو لگتا ہے آج ناصرؔ تم آ رہے ہو کسی سے مِل کر
تمھارا چہرا کِھلا کِھلا ہے تمھارا سینہ تنا تنا ہے

نہ الفت نہ چاہت نری خود سری ہے
نہ وہ دل دہی ہے نہ وہ دل بری ہے

ہماری شریعت ہماری طریقت
سخن گستری ہے ادب پروری ہے

یہ مہماں نوازی ہے یا کج ادائی
مرا جام خالی صراحی بھری ہے

بدلتا ہے موسم بدلتی ہے دنیا
کبھی ہے غلامی کبھی سروری ہے

تری کج ادائی کا شکوہ کریں کیوں
ستم پروروں سے یہ دنیا بھری ہے

نگہ سے نگہ ہی ملا جانِ جاناں
ترا دیکھنا بھی کرم گستری ہے

ہزاروں ہی اوصافِ شعری ہیں لیکن
محاسن کا سرتاج صنعت گری ہے

کسی طور قابو میں رہتا نہیں دل
تمہاری نگہ میں وہ جادوگری ہے

یہی قول ہے اہلِ دانش کا ناصرؔ
ہر اِک علم پر شعر کو برتری ہے

نوجوانی سی نوجوانی ہے
گلفشانی سی گلفشانی ہے

ہوں ترے نقشِ پا سے وابستہ
شادمانی سی شادمانی ہے

تیری نظرِ کرم کے کیا کہنے
مہربانی سی مہربانی ہے

اُس کے درباں کو کر لیا قائل
کامرانی سی کامرانی ہے

تیرے آگے ہیں چپ کس و ناکس
بے زبانی سی بے زبانی ہے

تم جسے دل لگی سمجھتے ہو
دل ستانی سی دل ستانی ہے

میرے مرنے کو مکر کہتے ہیں
بدگمانی سی بدگمانی ہے

شیخ جی جس کو پند کہتے ہیں
بدزبانی سی بد زبانی ہے

موت نے ہاتھ اُٹھا کے مجھ سے کہا
سخت جانی سی سخت جانی ہے

گفتنِ مصرعِ تر اے ناصؔر
جاں فشانی سی جاں فشانی ہے

آہ و زاری سی آہ و زاری ہے
اشک باری سی اشک باری ہے

وصل میں بھی ہمیں سکوں نہ ملا
بے قراری سی بے قراری ہے

روز آزار ملنے آتے ہیں
رشتہ داری سی رشتہ داری ہے

اشک سے سینچتے ہیں فصلِ الم
آبیاری سی آبیاری ہے

اُف ترے ناز و غمزہ و انداز
فوجداری سی فوجداری ہے

تیرے انکار پر بھی زندہ ہوں
شرمساری سی شرمساری ہے

لے گئے دل ہمیں خبر نہ ہوئی
پُختہ کاری سی پُختہ کاری ہے

آئنے کو بھی منہ دکھاتے نہیں
پردہ داری سی پردہ داری ہے

یہ حنا بندیِ گل انداماں
لالہ کاری سی لالہ کاری ہے

مر مٹے کوئے ناز میں چُپ چاپ
جاں نثاری سی جاں نثاری ہے

سو رہے ہیں مگر نہیں غافل
ہوشیاری سی ہوشیاری ہے

مست آنکھوں سے روز پیتے ہیں
بادہ خواری سی بادہ خواری ہے

بھول کر بھی اِدھر نہیں آتے
اُستواری سی اُستواری ہے

تیرے در پر گئے نہ دستک دی
وضع داری سی وضع داری ہے

ناصرؔ اُن آتشیں نگاہوں میں
تابکاری سی تابکاری ہے

سب کو ملتا ہے ناصرؔ اُٹھ اُٹھ کر
انکساری سی انکساری ہے

بے وفائی سی بے وفائی ہے
کج ادائی سی کج ادائی ہے

تیری محفل ہوئی ہے وقفِ عدو
نارسائی سی نارسائی ہے

وارتے ہیں وہ اپنے سر پر پھول
خود نمائی سی خود نمائی ہے

شیخ نے رہن مے رکھے جُبّے
پارسائی سی پارسائی ہے

تیری گفتار سے کھلیں کلیاں
لب کشائی سی لب کشائی ہے

تیری ہر رمز ہے عیاں مجھ پر
آشنائی سی آشنائی ہے

رہنما خود بھٹک گئے ناصرؔ
رہنمائی سی رہنمائی ہے

ہم امتحانِ عشق میں حیران رہ گئے
مشکل سوال حل کئے آسان رہ گئے

اعمال چُھٹ گئے فقط ایقاں رہ گئے
محدود ہو کے آج مسلمان رہ گئے

سارا غبار دل کا نِکالو بیک نفس
وہ بھی لگاؤ ہم کو جو بہتان رہ گئے

تنقید کو جو سمجھے تھے تنقیص و افترا
وہ منکرینِ عِلم تھے انجان رہ گئے

شعر و ادب کی دہر میں تعظیم کا نہ پوچھ
الماریوں میں سڑنے کو دیوان رہ گئے

وہ اِک نگہ سے کر گئے قصہ مرا تمام
دل میں ہزار درد کے ارمان رہ گئے

روزِ ازل کو جب ہوا تقسیم کا عمل
درد و الم کے واسطے انسان رہ گئے

ملنے گئے تھے ناصؔر انہیں اعتماد سے
لیکن سبھی دھرے کے دھرے مان رہ گئے

کوئے بتاں میں رات دن جاتے رہے جاتے رہے
گو ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتے رہے کھاتے رہے

اک بے وفا کے عشق میں صحرا نوردی مل گئی
اپنے کئے کی ہم سزا پاتے رہے پاتے رہے

جاں وار دی اصنام پر سوچا نہ تھا سمجھا نہ تھا
گو دل میں سو سو وسوسے آتے رہے آتے رہے

بے درد تھا بے درد ہے اس نے روش بدلی نہیں
بے سود اس کو راہ پر لاتے رہے لاتے رہے

ان کی وفا کے تذکرے کرتے رہے اشعار میں
گرچہ صنم ہم پر ستم ڈھاتے رہے ڈھاتے رہے

تو نے کسی کو بھی نہیں بخشی دوا دیدار کی
بیمار تو در پر ترے آتے رہے آتے رہے

ناصؔر کبھی بھولے سے بھی آئے نہیں جو خواب میں
نغمے ہم ان کی یاد میں گاتے رہے گاتے رہے

ہمارے خون کے پیاسے ہمارے ہم نشیں نکلے
جنھیں ہمدم سمجھتے تھے وہ مارِ آستیں نکلے

بڑا یاروں نے سمجھایا یہاں رسوائیاں ہوں گی
مگر ہم تیرے کوچے سے نہیں نکلے نہیں نکلے

خزاں میں پھول کھل اٹّھیں قدم بوسی کو آ نکلیں
اگر سیرِ چمن کو گھر سے میرا نازنیں نکلے

مسلسل اُس جفا جو نے غضب ڈھائے ستم توڑے
مرے لب سے مگر پیہم حروفِ آفریں نکلے

تری آمد کا سنتے ہی گلی میں ہو گئی رونق
ترا دیدار کرنے کو مکانوں سے مکیں نکلے

نجوم و کوکب و اختر بلائیں لینے آ جائیں
کچھ اس انداز سے باہر ہمارا مہ جبیں نکلے

ہے شیرینی سی شیرینی تکلم سا تکلم ہے
ترے الفاظ کے ہمرہ نبات و انگبیں نکلے

ہوئے ہم مر کے تابندہ تو اس بت نے کہا ناصرؔ
جنہیں پتھر سمجھتے تھے وہ مرجان و نگیں نکلے

امیدِ ملاقات ہے اک عہد شکن سے
ٹھنڈک کی توقع ہے مجھے شعلہ بدن سے

کچھ عیش و مسرت کا طلبگار نہیں ہوں
الفت ہے مجھے درد و غم و رنج و محن سے

کانٹوں کے سِوا کچھ نہ ملا ہم کو صد افسوس
پھولوں کی توقع تھی کسی غنچہ دہن سے

اے شائق و مشتاقِ طوافِ چمنستاں
بیزار نہ ہونا کسی کانٹے کی چبھن سے

بتلاؤں کہ ہے کیوں مرے شعروں میں تغزل
ہے عشق مجھے غالبؔ استادِ سخن سے

اُس عطر پہ رشک آئے نہ کیوں لالہ و گل کو
جو عطر ٹپکتا ہے ترے چاہِ ذقن سے

تڑپائے گا ترسائے گا پگھلائے گا دن رات
تھی بس یہی امیّد ہمیں چرخِ کُہن سے

حق گو بھی ہوں بے باک بھی بے خوف بھی ناصرؔ
اب ہو گی ملاقات کسی دار و رسن سے

جب وعدے بھی کر کے نہ ملاقات کو پہنچے
کیوں ٹھیس نہ پل پل مرے جذبات کو پہنچے

دن رات غضب اور ستم ڈھائے جنھوں نے
وہ لوگ بہت جلد مکافات کو پہنچے

غنچوں نے ترے ناز کی نقلیں تو اتاریں
لیکن نہ کوئی تیرے کمالات کو پہنچے

ہم جب بھی تلاشِ گل و گلزار کو نکلے
بس خارِ مغیلاں کے مقامات کو پہنچے

اس نے ہمیں پل بھر کا بھی دیدار نہ بخشا
ہم سر کے بل اُس بت کی ملاقات کو پہنچے

وہ شعر کوئی شعر نہیں اور ہی شے ہے
جب کوئی بھی قاری نہ کسی بات کو پہنچے

کوئی یہاں مقبول ہے کوئی وہاں مقبول
ہر ایک دعا قبلۂ حاجات کو پہنچے

وہ لفظ میں رکھتا نہیں اشعار میں ناصرؔ
جس لفظ سے کچھ ضعف محاکات کو پہنچے

کرتے رہو اوروں سے کلام اور طرح کے
کیوں بھیجتے ہو مجھ کو پیام اور طرح کے

اے عاشقِ نوخیز ذرا دیکھ کے چلنا
اس راہ میں آتے ہیں مقام اور طرح کے

اے جانِ غزل کس نے یہ بھڑکایا ہے تم کو
لکھتے ہو خطوط اب مرے نام اور طرح کے

ہر لمحہ اگرچہ مجھے دکھ درد ہیں لاحق
ملتے ہیں مگر غم سرِ شام اور طرح کے

کیا ناز ہیں ٹکتے ہی نہیں پاؤں زمیں پر
ہیں آجکل اُس بت کے خرام اور طرح کے

بیٹھے ہی رہیں گے یہ اٹھائے نہ اٹھیں گے
آئے ہیں ترے در پہ غلام اور طرح کے

قاتل نہیں کہلاتے جو نظروں سے کریں قتل
ہیں عشق کی دنیا میں نِظام اور طرح کے

مت سود و زیاں کے مجھے اَسرار بتاؤ
درویش کو درپیش ہیں کام اور طرح کے

کرتے ہیں زباں سے وہ کئی وصل کے وعدے
اور بھیجتے ہیں مجھ کو پیام اور طرح کے

غمزے سے پلاتا ہے کبھی عشوے سے مجھ کو
ناصرؔ ہیں مرے یار کے جام اور طرح کے

سرِ محفل جو گیسو تُو نے کھولے
تو دل پرہیز گاروں کے بھی ڈولے

ہوئی مدت سماعت بے مزا ہے
کوئی تو آ کے رس کانوں میں گھولے

چُرا کر لے گئے دل چپکے چپکے
مرے دل میں وہ آئے ہولے ہولے

نہ جانے جان کب ہو جائے رخصت
ارے داغِ گنہ اشکوں سے دھو لے

کرے اغیار سے قطعِ تعلق
ہمارے ساتھ وہ بولے نہ بولے

کہا اس نے نئے آزار دے کر
انھیں بھی تُو رگِ جاں میں پرو لے

خوشی کی جستجو میں جب بھی نکلوں
ہر اِک آزار میرے ساتھ ہو لے

پڑی ہے عمر اک رونے کو ناصرؔ
سحر ہونے کو ہے کچھ دیر سو لے

باغبانوں نے باغ اُجاڑ دیے
میوے لوٹے درخت اُکھاڑ دیے

حیف اصلاح کرنے والوں نے
نقش ہر چیز کے بگاڑ دیے

منصفوں نے بھی سازشیں کر کے
جھنڈے ظلم و ستم کے گاڑ دیے

جن کا نعرہ تھا ساتھ دینے کا
یار انہوں نے سبھی پچھاڑ دیے

ہم نے جس جس کو پاسباں جانا
اس نے دیوار و در اُکھاڑ دیے

ہائے ہر بار غم گساروں نے
اور آزار کے پہاڑ دیے

قبضہ مجھ کو دلانے آئے تھے
پنجے اپنے زمیں میں گاڑ دیے

نامہ بھر نے جو دیکھا طیش ان کا
اس نے خود ہی خطوط پھاڑ دیے

کیا ہوا ہم جو ہو گئے برباد
عشق نے گھر کے گھر اُجاڑ دیے

ہم سے پوچھو بتوں کے طور طریق
دل لئے لیتے ہی لتاڑ دیے

آ بھی جاؤ کہ ہم نے پلکوں سے
طاق و دیوار و بام جھاڑ دیے

نازنینوں کے تذکرے نہ کرو
ہم نے یہ شغل چھوڑ چھاڑ دیے

آؤ دیکھا نہ تاؤ ظالم نے
عہد جتنے تھے توڑ تاڑ دیے

پھر مرا دل بنے گا مشقِ ستم
اس نے پھر ٹکڑے جوڑ جاڑ دیے

دل تو وہ توڑتے ہی رہتے تھے
اب کے چھالے بھی پھوڑ پھاڑ دیے

جس کو سونے میں ہم نے تولا تھا
ناصؔر اس نے ہمیں کباڑ دیے

ہم کسی سے بھی سہارا نہیں مانگا کرتے
خود اُبھرتے ہیں وسیلہ نہیں مانگا کرتے

مانگنا تو کسی صورت ہمیں منظور نہیں
ہم ٹھہر جاتے ہیں رستہ نہیں مانگا کرتے

دھوپ میں جلنے کا نشّہ بھی عجب نشّہ ہے
ہم کسی پیڑ سے سایہ نہیں مانگا کرتے

ڈھونڈنے میں ہمیں آتا ہے عجب کیف وسرور
منزلوں کا کبھی نقشہ نہیں مانگا کرتے

کچے کوٹھوں کے مکینوں کے مصائب کی قسم
ہم کسی رُت میں بھی ورشا نہیں مانگا کرتے

نازنینوں نے جو ارشاد کیا مان لیا
ہم سَنَد اور حوالہ نہیں مانگا کرتے

منہ لگا لیتے ہیں گاگر کو جو آجائے نظر
ہم بلانوش ، پیالہ نہیں مانگا کرتے

سرِ محفل نہیں کرتے کبھی نالہ ناصؔر
چھپ کے روتے ہیں دلاسہ نہیں مانگا کرتے

کہتے رہو کہ تجھ سے محبت نہیں مجھے
اِک دن تمھی کہو گے کہ نفرت نہیں مجھے

مسلم ہوں میں کسی سے عداوت نہیں مجھے
رنجش نہیں، حسد نہیں، نفرت نہیں مجھے

کرتا ہوں اہلِ حسن پہ جان و جگر نثار
گو اُن سے کچھ اُمیدِ مروّت نہیں مجھے

ہاں چھانتا رہوں گا رہِ مہ وشاں کی خاک
اپنے کئے پہ کوئی ندامت نہیں مجھے

یوں سربسر ہوں منہمک کارِ عاشقی
موت آئی تو کہوں گا کہ فرصت نہیں مجھے

بے حال کر گیا ہے مجھے عشقِ نامراد
پیری تو کوئی وجہِ نقاہت نہیں مجھے

خاکِ نجف ہے مجھ کو مہ و مہر و کہکشاں
مال و زر و گہر سے محبت نہیں مجھے

واعظ کو ایک دن میں دکھاؤں گا آئنہ
جلدی نہیں مجھے کوئی عجلت نہیں مجھے

جو زہر اگلتے ہیں انھیں کر دوں گا لاجواب
نقّادِ راست گو سے تو حجت نہیں مجھے

کج رو ہو عیب جُو ہو سخن چیں ہو غیر ہو
شاعر ہوں میں کسی سے شکایت نہیں مجھے

ناصؔر میں کوئے ناز میں جاتا ہوں سر کے بل
پیروں پہ چل کے جانے کی جرأت نہیں مجھے

اگر تجھ سے یونہی آزار پر آزار پہنچیں گے
بہت جلدی سرِ مدفن ترے بیمار پہنچیں گے

اگر صحرا میں گھبرا کر ہمیں مجنوں نے بلوایا
ہمارا جانشیں ہے، چھوڑ کر گھر بار پہنچیں گے

ارے نازک بدن کیوں سیر کو جاتا ہے گلشن میں
اجازت دے قدم لینے یہاں گلزار پہنچیں گے

تمہار ے سرو قامت پر قیامت کا تشابُہ ہے
جہاں پہنچو گے تم واں حشر کے آثار پہنچیں گے

ہمارا فیض جاری ہے، رہے گا جاری و ساری
سبق لینے یہاں فنکار پر فنکار پہنچیں گے

کئی شاگرد ہیں اپنے جو آ کر فیض پاتے ہیں
مگر بیمار پُرسی کو فقط دو چار پہنچیں گے

فراق و ہجر کے صدمے سہے جاتے نہیں ہم سے
جہاں بھی جاؤ گے، ہم طالبِ دیدار پہنچیں گے

اگر ہم جرمِ حق گوئی میں بلوائے گئے ناصؔر
نہ سر ہرگز جھکائیں گے سرِ دربار پہنچیں گے

آمد و رفتِ رقیباں کرے بیزار مجھے
کوچۂ یار ہے اک وادئ پُرخار مجھے

پھر مری نوکِ قلم کا کوئی دم خم دیکھے
دے زمینیں کوئی دشوار سے دشوار مجھے

تیری محفل میں ہیں جو باعثِ آرام تجھے
بس وہی ہیں سببِ کلفت و آزار مجھے

یہ ترا بانکپن اک روز قیامت ہوگا
نظر آتے ہیں ابھی سے کئی آثار مجھے

دشمنِ دیں سے مری جنگ رہے گی جاری
فرض رکھے گا سدا برسرِ پیکار مجھے

آجکل مجھ سے وہ پرواز کا فن سیکھتے ہیں
جو سمجھتے تھے کبھی طائرِ بیمار مجھے

صفِ دشمن کی طرف جب بھی نگہ کرتا ہوں
نظر آتے ہیں کئی اپنے طرفدار مجھے

تُو مجھے یار سمجھ غیر سمجھ کچھ تو سمجھ
اپنے افسانے میں دے کوئی تو کردار مجھے

جھک کے مجھ سے نہ ملو مجھ کو قدم لینے دو
اب کرو اور نہ سرکار گنہ گار مجھے

تشنگی بھی ہے شبِ ماہ بھی ہے حرص بھی ہے
ساقیا آج خدارا نہ کر انکار مجھے

وہ مکیں تھا تو وہاں دوڑ کے میں جاتا تھا
کاٹنے دوڑتے ہیں اب در و دیوار مجھے

میرا مطلوب ہے طیبہ مرا مقصود نجف
یہ زر و مال و جواہر نہیں درکار مجھے

لذتِ درد سے بڑھ کر نہیں سوغات کوئی
کس قدر خوب ہیں خوبانِ ستمگار مجھے

خوش کلامی نہ سہی تلخ زبانی ہی سہی
تیرا مہنا بھی ہے اک چیزِ مزیدار مجھے

سربلندی ترے طعنوں سے ہوئی ہے حاصل
سر گرانی تری ہے طرۂ دستار مجھے

مجھ سے لکھوائی ہیں صدموں نے یہ غزلیں نظمیں
درد ہے باعثِ افزائشِ اشعار مجھے

ہوش اپنا ہے نہ اوروں کی خبر ہے ناصؔر
ہائے کس وقت کسی کا ہوا دیدار مجھے

یار ستم کا خوگر ہے
جور و جفا کا جوہر ہے

شہر مرا قد آور ہے
یہ شعرا کا رہبر ہے

جام نہ دے مجھ کو ساقی
دے جو لبالب گاگر ہے

راہ مہکتے جاتے ہیں
ہر قدم اُس کا عنبر ہے

روز مضامین آتے ہیں
ذہن مرا اک محشر ہے

وصل ہوا ہے ناممکن
اب یہاں جینا دوبھر ہے

مجھ کو لڑکپن سے ناصؔر
عشق کا ہر باب ازبر ہے

غم پر غم ہر دم مجھے ملا ہے
یہ الفت اور پیار کا صلہ ہے

اب جینا دشوار ہو گیا ہے
اک رہزن ہر موڑ پر کھڑا ہے

ہیں سارے مجھ سے خفا خدایا
مجھ کو بس تیرا ہی آسرا ہے

ڈستی ہے پل پل دل و جگر کو
تنہائی سب سے بُری بلا ہے

پھر دنیا ہم کو جدا نہ کر دے
اِک دھڑکا دل کو لگا ہوا ہے

کیا ہو گا حال اب خدا ہی جانے
اِک بت سے میرا معاملہ ہے

ایماں پر ہی خاتمہ ہو میرا
ناصؔر بس میری یہی دُعا ہے

کیا تمہارے شعر میں، ذکرِ نازِ یار ہے
چاشنی جس میں نہیں، شعر وہ بے کار ہے

شعر میں تو ذکر ہے، لالہ و گلنار کا
پر ہمارے دھیان میں، بس لب و رخسار ہے

اس کے انداز و ادا، نیز نازِ بے بہا
پورا نقشہ کھینچنا، کس قدر دشوار ہے

ہوشیاری دیکھیے ، اس بتِ پُرکار کی
ہاتھ میں خنجر نہیں، بر سرِ پیکار ہے

میں نصیحت کیوں کروں، میں کوئی ناصح نہیں
ہر کوئی محظوظ ہو، یہ مرا پرچار ہے

حالِ دل کس سے کہوں، اور چپ کیسے رہوں
کون سنتا ہے یہاں، ہر کوئی بیزار ہے

تُو نے ناصؔر کیا کِیا، کس صنم کو دل دیا
دیکھنے میں سادہ ہے، اصل میں پُرکار ہے

لٹیروں کو سزا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے
ڈکیتوں کو فنا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

حکومت میں جو آ جائے وہ جھٹ زردار بن جائے
رعایا کا بھلا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

وطن کو لوٹنے والے پکڑ میں تو آ جاتے ہیں
پر ایسا واقعہ ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

اثاثے منجمد ہو جاتے ہیں اِک روز شاہوں کے
شہوں کو خاکِ پا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

حقِ تبلیغ ادا کرنا تحمل سے سبق دینا
بُروں کو پارسا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

خلش کوئی اچانک تو نہیں ناسور بن جاتی
مرض کو لادوا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

سبھی کو اِک ہی بیماری اچانک تو نہیں لگتی
الرجی کو وبا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

نظامِ عدل کیوں ہے اس قدر صبر آزما ناصؔر
کوئی بھی فیصلہ ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

بُتوں سے رابطہ ہونے میں کافی دیر لگتی ہے
مقدر کو ہرا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

بتوں کو رام کر لیتے نظر گر بار بار آتے
بتوں کا سامنا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

گل انداموں کی چوکھٹ پر مسلسل التجا کرنا
درِ قسمت کو وا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

بتوں کی محفلوں میں کیوں نہ جا کر بیٹھ جائیں ہم
خطوں سے رابطہ ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

یکا یک پھل نہیں پکتا اچانک رس نہیں پاتا
ثمر کو با مزا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

پُلیس اک دم پکڑ لیتی ہے ناحق بے گناہوں کو
بچاروں کو رہا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

کبھی ہم مڑ کے تکتے ہیں کبھی وہ مڑ کے تکتے ہیں
ہمیں ناصؔر جدا ہونے میں کافی دیر لگتی ہے

اے رشکِ گل انداماں ، اے پیکرِ رعنائی
تتلی تری دیوانی ، بلبل ترا شیدائی

تُو حسن کی دیوی ہے ، یا روپ کی شہزادی
پنّوں ترا پروانہ ، سسی تری سودائی

تو نازِ غزالاں ہے ، یا جانِ بہاراں ہے؟
لیلیٰ بھی تری خواہاں ، مجنوں بھی تمنائی

مرزا بھی ترا شیدا اور صاحباں بھی عاشق
وامق بھی ہے گرویدہ ، عذرا بھی تَوَلّائی

رانجھے بھی ترے نوکر ، ہیریں بھی تری چاکر
مہینوال بھرے پانی ، سوہنی کرے ستھرائی

ہم نے تری الفت میں ، اشعار جونہی لکھے
فرہاد نے سنگت کی ، شیریں نے غزل گائی

اے دلبرِ خوش الحاں ، شیریں ہیں تری باتاں
ہر بلبل و قمری نے بولی تری اپنائی

کیا مہر و مہ و انجم ، کیا لالہ و برگ و گُل
سب تیری بلائیں لیں ، اے موجۂ زیبائی

ہر پھول ترے صدقے ، ہر شاخ ترے قرباں
ہر گوشۂ گلشن میں ، ہے تیری پذیرائی

کس حسن کے سانچے میں ، رب نے تجھے ڈھالا ہے
نظّارہ کرے گُل بھی ، بھونرا بھی تماشائی

رنگین ترا آنچل ، بانہوں میں جو لہرایا
جھٹ قوسِ قزح آئی ، تعظیم بجا لائی

صحنِ چمنستاں میں رکھا جو قدم تو نے
بیدار ہوا سبزہ ، لی شاخ نے انگڑائی

پایل تری جب چھنکی ، چوڑی تری جب کھنکی
سنگیت کو ہوش آیا ، بجنے لگی شہنائی

خورشید و ثریا نے جُھک جُھک کے سلامی دی
تیرے رُخِ مہ وش کی دیکھی جونہی گولائی

جاں وارتے ہیں تجھ پر گلفام و پری پیکر
دیکھا نہیں دنیا میں کوئی ترا ہمتائی

فرزانے دوانے سب کھنچتے چلے آتے ہیں
ہے تیری نگاہوں میں کیسی یہ توانائی

اے زہرہ جبیں تو نے جس تس کو کیا مائل
یہ مست ادا آخر کس نے تجھے سکھلائی

تو خلد سے آئی ہے؟ کُہقاف میں رہتی ہے؟
حوروں سے تری یاری! پریوں سے شناسائی!

آنکھیں تری بادامی ' اور چال ہے مستانی
آہوئے حرم ہے تُو ' یا ناقۂ صحرائی

یہ جوشِ جوانی ہے یا مے کی روانی ہے
صورت تری مینائی رنگت تری صہبائی

کلیوں کو نزاکت کا تھا زعم و گماں کتنا
جلوہ ترا جب دیکھا کوئی بھی نہ اِترائی

تیرے لبِ گویا کو' تشبیہ میں دوں کیا کیا
جیسے کوئی سُر جاگا ' جیسے کلی مسکائی

جس نے تجھے دیکھا ہے' میں دیکھتا ہوں اُس کو
لگتا ہے کہ آنکھوں میں ' تصویر اُتر آئی

اب تیری اداؤں کی کیا شرح کرے کوئی
انگشت بدنداں ہے ' یاں قوّتِ گویائی

ہم بھی ہیں ترے طالب' بخش ایک نظر گاہے
اے مستِ مئے ہستی ' اے محوِ خود آرائی

آواز تری سن کر' جان آئے مری جاں میں
ہے تیرے تکلّم میں ' تاثیرِ مسیحائی

تیرے قدِ بالا کے نظارۂ دلکش سے
سرو اور صنوبر نے یہ نشو و نما پائی

ہر لمحہ تری یادیں شاعر کو سہارا دیں
خلوت ہو کہ جلوت ہو محفل ہو کہ تنہائی

دل گھومتا پھرتا ہے جی جھومتا پھرتا ہے
لُو بھی تری بستی کی ہم کو لگے پُروائی

بے مثل ترا غمزہ عشوہ ترا لاثانی
دیکھی نہ سنی ایسی انداز میں یکتائی

ہر حرف چمکتا ہے ہر لفظ دمکتا ہے
لکھتا ہے قلم میرا جب بھی تری اچھائی

اب تیرے بنیرے پر ڈیرے ہیں چکوری کے
دیکھا تھا کبھی اُس نے جب بام پہ تُو آئی

تیرے رخِ روشن کا پلکوں سے لیا بوسہ
یوں دیدۂ نرگس کو حاصل ہوئی بینائی

دونوں مُتَسَاوی ہیں کچھ فرق نہیں اِن میں
کیا زلف تری بکھری کیا کالی گھٹا چھائی

ہر عاشقِ صادق کو جی جان سے پیاری ہے
تیرے گلی کوچے میں حاصل ہو جو رُسوائی

پوشاک کی سج دھج سے معلوم یہ ہوتا ہے
صد شوق سے درزن نے سی کر تجھے پہنائی

نازاں ہیں مقدر پر بندھن ترے دامن کے
بخیہ ہو کہ ٹانکا ہو سِیون ہو کہ تُرپائی

تو مکتبِ خوباں ہے، جاری ہے ترا فیضاں
پھولوں نے ادا سیکھی، کلیوں نے حیا پائی

ہر صبح سہانی ہے ہر شام نشیلی ہے
موسم تری گلیوں کا ہے گرم نہ سَرمائی

پھر حشر تلک اس نے ہر جام کو ٹھکرایا
پی لی ترے ہاتھوں سے جس شخص نے سردائی

لَٹ تیری کے سائے میں ستائے ہُما آ کر
اُس کو بھری دنیا میں اِک چھاؤں یہی بھائی

ہم نے جو تغزل میں یہ نور بکھیرا ہے
تیرے ہی اُجالوں سے ہم نے یہ ضیا پائی

ہر چند کہ دل چاہے، باتیں میں کروں تجھ سے
پر تیرے حضور اپنی، ہوتی نہیں شنوائی

جو آنکھ ملاتے ہیں بس ڈوبتے جاتے ہیں
جاناں تری آنکھوں میں ہے جھیل سی گہرائی

میں نے تری مدحت میں، اشعار کئی لکھے
جب جب مرا دل مچلا، جب جب تری یاد آئی

شمعیں بھی جلائی ہیں، کلیاں بھی سنواری ہیں
اے جانِ غزل آجا ، دیکھ انجمن آرائی

دل کھول کے ہم نے بھی مضمون بہت باندھے
اربابِ سخن نے کی جب حوصلہ افزائی

چرچا ترے جلووں کا اشعار میں ڈھالیں گے
ہر قافیہ برتیں گے ہم نے یہ قسم کھائی

میں نے یہ غزل قصداً لکھی ہے طویل اتنی
تھی پیشِ نظر میرے لَٹ تیری کی لمبائی

تیرے ہی لئے کی ہے، ناصؔر نے یہ گلکاری
کچھ قافیہ پیمائی ، کچھ حاشیہ آرائی